

البیت اور اصحاب رسول کا انتخاب

تألیف

ابو خلیفہ علی بن محمد القضاوی رحمۃ اللہ

ترجمہ

فضل الرحمن رحمنی اللہ دوی
فضل جامعہ اسلامیہ مکینہ منورہ



تم إعداد هذا الكتاب بالتعاون مع:

موقع البرهان : www.alburhan.com

موقع العقيدة : www.aqeedeh.com

محفوظة
جميع الحقوق

لا يسمح بالنشر الإلكتروني أو المطبوع إلا بعد الرجوع والإستئذان من أحد المؤquin

اہل بیت اور اصحاب رسول کا انتخاب	: نام کتاب
ابو خلیفہ علی بن محمد <small>القضییی</small> رحم اللہ علیہ	: مصنف
فضل الرحمن رحمانی ندوی مدنی	: ترجمہ و تخلیص
عقیدہ لاہوری www.aqeedeh.com	: ناشر
<u>2010ء</u>	: سال طبع
20 ہزار	: تعداد

نہیں تھے گھرِ خانہ

6	-	فَرْمَانٌ عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ	✿
8	-	تَقْدِيم	✿
10	-	مقدمہ کتاب	✿
11	-	کچھ یادیں کچھ باتیں	✿
17	-	امام خوئی کا چاند میں ظہور	✿
19	-	شیعت سے نفرت کا سبب	✿
20	-	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عین کو گالی دینا اور ان پر تربازی کرنا	✿
26	-	عقیدہ متعہ کیا ہے؟	✿
28	-	شیعہ مذہب تضاد فکری پر مشتمل ہے	✿
33	-	جادوگر کا میاب نہیں ہو سکتا	✿
39	-	تعصب کی بنا پر قتل	✿
42	-	امام منتظر کا معمما	✿
42	-	صاحب ازمان کے لقب نے مجھے ہلاکر کھدیا	✿
46	-	ایک افسانے کی تصدیق	✿
51	-	صاحب زمان غایب کیوں؟	✿
55	-	محمد حسین فضل اللہ سے برتاو	✿
59	-	توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے	✿

61	صلاح کاموت سے خوف
66	اور کایا پٹ گئی
70	تصور امانت میں تاریخ کی فتح
87	خاتمه کتاب



فرمان علیٰ رضی اللہ عنہ

”میں نے محمد ﷺ کے صحابہ کو قریب سے دیکھا ہے میری نگاہ میں ان سا کوئی نہیں آیا ہے وہ صبح کو پراندہ حال اٹھتے تھے۔ ان کی راتیں بارگاہ الہی میں قیام و قعود اور رکوع و سجود کرتے گزرتی تھیں۔ وہ تمام رات بارگاہ ایزدی میں پیشانیوں کو رگڑ کر کر اپنی عاجزی کا اللہ کے سامنے اظہار کیا کرتے تھے۔ مناجات سے ان کی راتیں آباد ہوا کرتی تھیں۔ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں کثرت سجود کی وجہ سے نشان بن گئے تھے اور اللہ کے عذاب کے خوف اور اس کے ثواب کی امید میں قیام کی وجہ سے ان کی کمریں ایسے خمیدہ ہو گئی تھیں جیسے شدید ہوا کے وقت پیڑ جھک جاتا ہے۔“ (نجح البلاغۃ، خطبہ نمبر ۹۲)

میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کو اپنایا ہے
اور آل بیت رسول ﷺ کے دامن کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

(ابو خلیفہ علی بن محمد القضیی)

تقدیم

الحمد لله رب العالمين ، والصلوة والسلام على المبعوث الامين ، سيدنا محمد و على آل بيته الطاهرين الطيبين ، وعلى صحبته الغر الميامين ، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين ، أما بعد !

یہ قارئین کرام کے لیے ایک عظیم خوشخبری ہے کہ اس وقت ان کے ہاتھوں میں ایک مفید کتاب ہے جس نے عقیدہ اہل سنت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے اس کو پڑھ کر بے شمار لوگ اہل بیت کے بارے میں صحیح اعتقاد سے روشناس ہوئے ہیں کہ شاید اس کے مفید ہونے کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے جو رسول اللہ ﷺ کی شان بیان کرتا ہے ۔

﴿وَرَفَعَنَا لَكَ ذُجْرَكَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دشمنوں کے مقابلہ میں آپ کو بلندی عطا فرمائی اور آپ ﷺ کے ذکر کو دوام بخش دیا ہے، لہذا جو شخص بھی ناموس رسالت کا دفاع کرے گا اور صحابہ کرام اور آل بیت رسول ﷺ کی عزت و آبرو کے لیے تگ و دو کرے گا تو اس کے مقدار میں بھی رفتہ لکھ دی جائے گی ۔

یہ ایک مختصر اور جامع کتاب ہے جس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے جو اس کے قبول عام کی بین دلیل ہے، یہ مخفی اللہ کا افضل و احسان ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرمادیتا ہے ۔

یہ کتاب اس وجہ سے بھی دلچسپ ہے کہ اس میں مؤلف کے قبول اسلام کی کہانی بڑے خوبصورت اور اچھوتے انداز میں خود مولف کی زبانی موجود ہے جس نے اس کتاب کی مقبولیت میں اضافہ کر دیا ہے ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے پیارے بھائی ابو خلیفہ کو فردوسِ اعلیٰ میں فروکش فرمائے اور قیامت کے دن انہیں نبی ﷺ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین اور آپ ﷺ کے آل بیت علیہم السلام کے زمرے میں شامل فرمائے۔ (آمین)

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

آپ کا بھائی
سیدنا صرہاشمی



مقدمہ کتاب

الحمد لله حمدًاً كثيرًاً طيباً مباركاً فيه، ملء السموات والارض ، وملء ماشاء ربنا من شئى بعد ، وصلوات الله وسلامه على صفوة خلقه وخاتم رسله محمد ، وعلى آله واصحابه ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين اما بعد!

یہ کتاب چند اوراق کا مجموعہ ہے جو درحقیقت میری زندگی کی کہانی ہے۔ اس میں میری زندگی کے گزشتہ لمحات کی داستان رقم ہے گویا میری حیات گم گشته کے یہ چند اوراق پارینہ ہیں جس کو میں نے افکار و خیالات کے ضمن میں لکھا تھا میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ حق و باطل کے درمیان رسہ کشیتھی جو موروٹی اور حقیقی کشمکش تھی جو انسانی زندگی میں بڑی آزمائش کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ صرف میرا ہی تجربہ نہیں بلکہ بہت سے ان لوگوں کا تجربہ بھی ہے جو عجیب و غریب عقائد معاشرے میں پیدا ہوئے اور اپنے سماج کے لئے انہوں نے قربانیاں بھی پیش کیں اور اس کی دفاع میں جان توڑ کوششیں بھی کیں۔ لیکن جب حقائق ان کے سامنے اجاگر ہوئے تو انہیں پتہ چلا کہ حق اس کے خلاف ہے اور وہ جس اعتقداد سے وابستہ ہیں وہ بالکل غلط ہے اور انہیں بخوبی علم ہو گیا کہ خاندان اور سماج کے رسوم و رواج کے نام باطل رسومات کا رواج اختیار کرنا گویا بہترین چیز کے بد لے کم تر چیز طلب کرنے کے مترادف ہے حالانکہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والی چیز ہے۔ وما عند اللہ خير وابقى

ابو خلیفہ القضیبی

۲۷/۳/۲۰۰۵ء

کچھ یادیں کچھ باتیں

میری پرورش و پرداخت ایک ایسے مذہبی شیعی گھرانے میں ہوئی جس نے مذہب کی خدمت کو اپنا شیوء بنایا ہوا تھا اور جو علمی و فکری ہر دو میدان میں شیعہ مذہب کی خدمت انجام دے کر قرب الہی کا خواہاں تھا۔ صغرنی ہی میں میرے والد محترم کا سایہ اٹھ گیا۔ چنانچہ میری اور میری بہنوں کی کفالفت میرے ماموں نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔ میرے ماموں مذہبی طور پر صاحب جبہ و دستار تھے انہوں نے بھرین میں شیعوں کے ایک مذہبی ادارہ ”جد حفص“ میں تعلیم حاصل کی بعد میں ایران کے مشہور شہر قم میں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی تھی۔ ماموں ہماری دیکھ بھال میں بڑے چاق و چوبندر ہا کرتے تھے ان کی خواہش تھی جس کی وجہ سے آپ بڑی سختی سے ہم لوگوں پر نگاہیں رکھتے تھے کہ کہیں ہم یہ بری سوسائٹی میں پڑ کر بے راہ روی کا شکار نہ ہو جائیں اور اس راہ پر نہ چل پڑیں جو ہماری خاندانی نیک نامی پر دھبہ ہو، ہمارے دین و اخلاق کو غارت کر ڈالے، ہمارے رب کریم کی ناراضگی کا سبب بن جائے، ہمارے ماموں کی ہم لوگوں کے بارے میں سختی کا یہ عالم تھا کہ جب ان کو پتہ چلا کہ میں موسیقی کا لح میں داخلہ لینا چاہتا ہوں اور میری خواہش بھی تھی کہ میں موسیقی ماسٹر بنوں گا تو اس موقع پر میرے ماموں نے اس کا سختی سے نوٹ لیا انہوں نے شدت کے ساتھ منع کیا اور اس بات کو ذہن سے کھرچ کر نکال دینے کے لئے بھرپور کوشش کی اور کہنے لگے کہ بچپن میں ہمارا کوئی ایسا سر پرست نہ تھا جو ہماری رہنمائی کرتا اور برے کاموں سے ہمیں روکتا یہی وجہ ہے کہ ہم نے بڑی تنگ دستی اور زبوں حالی کی زندگی گزاری ہے۔ لہذا میرے بچے برانہ مانو اور میری نصیحت قبول کرو میں کہہ سکتا ہوں کہ موسیقی کے جنون کو ذہن سے نکالنے میں، میرے ماموں کا سب سے بڑا ہاتھ

ہے۔ اگر ان کی عنایت و شفقت نہ ہوتی تو خدا جانے میں کس حال میں ہوتا۔ اس کے علاوہ اور بھی دوسرے اسباب ہیں جو میرے اس جنون کی راہ میں روکاٹ بن گئے اور میں اس شیطانی دام میں پھنسنے سے محفوظ رہا۔

جہاں تک میری والدہ کا تعلق ہے وہ دینی مخالف میں شرکت کی عادی تھیں اور اس کا بڑا اہتمام کرتی تھیں وہ ان مجالس میں اجر و ثواب کی نیت سے شرکت کرتی تھیں ان کا واحد نقطہ نظر یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے امام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خوشنودی حاصل کر کے اپنے اعتقاد کی خدمت کر رہی ہیں یہاں تک کہ آپ کو مرض تک کی پرواہ نہیں ہوتی تھی امراض و اسقام بھی ان مجالس میں شرکت سے نہیں روک سکتے تھے۔ آپ کا پکا عقیدہ تھا کہ مجالس عزا میں شرکت نہ کرنا معصیت اور گناہ ہے اور اس میں شرکت کرنا امراض و اسقام کے لئے باعث شفاء ہے اس کی وجہ سے مصائب و آلام دور اور غم و اندوہ ختم ہو جاتے ہیں۔

میرے نانا مرحوم کا اپنی زندگی میں ڈھول تاشے بنانے کا پیشہ تھا وہ ڈھول تاشوں کی مرمت کیا کرتے تھے جو ڈھول تاشے جلوس حسین رضی اللہ عنہ میں خراب ہو جایا کرتے وہ ان کی اصلاح اور مرمت کیا کرتے تھے اور جو ڈھول تاشے رمضان کے آخری عشرے کی راتوں (جس کو الوداع کی رات سے موسم کیا جاتا ہے) میں استعمال ہوتے تھے آپ کے یہاں ان کی مرمت کی جاتی جس میں بڑھ چڑھ کر ہمارے نانا حصہ لیا کرتے تھے چونکہ میں مذکورہ معاشرے کا پروردہ تھا، لہذا مجھے بچپن ہی سے بھریں میں عباس کے نام سے موسم ماتم میں حاضری محبوب تھی۔

میں اپنی صغرنی سے ہی تمام مجالس ماتم میں شریک ہونے میں آگے آگے رہا کرتا تھا تاکہ مجھے اپنے ہاتھوں سے اٹھانے کے لئے وہ علم مل جائے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام سے جھانکی کی شکل میں نکالا جاتا ہے۔

جب میں تھوڑا اور بڑا ہوا تو ان ماتھی جلوسوں میں شرکت شروع کر دی جن میں اثنائے

مامتم پیٹھ پرلو ہے کی زنجیریں چلائی جاتی ہیں جس کی وجہ سے بدن خون آسودہ ہو جایا کرتے ہیں۔ اسکول میں، میں اور میرے ساتھیوں کو دینی پروگراموں میں شرکت کا شوق بڑا تھا کوئی شیعی پروگرام یا مجلس ایسی نہ ہوتی جس میں ہم بڑھ کر حصہ نہ لیتے گویا پروگرام تعلیمی مشاغل سے آزادی کا بہانہ تھے ہمیں اس دن آزاد رہنے کا موقع مل جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ مجالس اور محافل والے دن اسکول میں بکثرت غیر حاضری ہوا کرتی تھی اور ایک معقول عذر ہمارے ہاتھ آ جاتا تھا اس دن ہماری غیر حاضری پر حوصلہ شکنی کی بجائے دل جوئی کی جاتی تھی اور ہم حوصلہ افزائی کے مستحق قرار دینے جاتے تھے۔ اور بڑے افسوس کے ساتھ ہمیں اس حقیقت کا انکشاف کرنا پڑ رہا ہے کہ ہم میں اکثر نوجوان اس لیے مجالس عزا و ماتم کا شدت سے انتظار کیا کرتے تھے کہ ان جیسی مجلسوں اور محفلوں میں لڑکیوں سے چھپٹ خانی کا موقع مل جاتا تھا اور محفلوں میں مردوں کے اختلاط کا راستہ ہموار ہو جایا کرتا تھا ولا حول ولا قوہ إلا بالله۔

جہاں تک میرے خاندان کا تعلق ہے تو ان کو نذر نیاز پر بڑا بھروسہ تھا۔ وہ نذر نیاز زیادہ کیا کرتے تھے میری سگی پھوپھی کو ہمیشہ ساقط کی شکایت رہا کرتی تھی یا تو بچہ دلا دت سے قبل ہی اس قاط ہو جایا کرتا تھا یاولادت کے فوراً بعد فوت ہو جاتا تھا کئی مرتبہ ان کو یہ عارضہ لاحق ہوا حتیٰ کہ ان کے یہاں لوگوں اور ہمارے اہل و عیال کو یقین ہو گیا کہ اب ان کی اولاد بچنا مشکل ہے چنانچہ ان پر اولاد کی طرف سے ما یوسی چھاگئی اور ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نذر مانی کہ اگر ان کے یہاں ہر طرح کے عیوب سے منزہ اولاد پیدا ہوئی اور ان کو زندگی بھی ملی تو وہ اپنے مولود کو ہر سال عاشورا کی صبح ① ماتمی جلوس میں لے جا کر شامل کریں گے اور اس

① کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ نذر مانے والے کی مانگ پوری ہو جاتی ہے گویا اندھیرے میں اندر ہے کے ہاتھ بیٹھا ہے اور وہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ غیر اللہ میں سے جس سے اس نے استغاثۃ کیا ہے اس نے اس کی سن لی ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے نذر کا تکہ لگ جانا اس بات کا شرعی جواز فراہم نہیں کرتا کہ غیر اللہ سے نذر مانی جائے کیونکہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کتنے لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ سے استغاثۃ کرتے ہیں اور ان کی نذریں پوری ہو جاتی ہیں مثال کے طور پر نصرانی لوگ گرجا گھر جاتے ہیں اور اپنے عقیدہ کے مطابق حضرت مریم علیہ السلام سے شفاء اور مال و دولت میں فراوانی کی دعا کرتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ابتلاء آزمائش ہے اسی طرح تمام مذہب و افکار سے ॥ ۱ ॥

کو کفن پوش کر کے اس میں شریک کیا جائے گا اور جھپڑی کا ماتم کرنے والوں کا خون اس کفن پر

⇒⇒ متعلق لوگوں کا معاملہ ہے اس زمرہ میں ہندو، سکھ، عیسائی، یہود اور وہ تمام کے تمام لوگ شامل ہیں جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور اپنے اپنے باطل معبودوں سے اپنی اپنی منتوں اور حاجتوں کا سوال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی حاجتوں اور منتوں کو پورا کر کے انہیں آزمار ہا ہے گویا کہ اس میں بھی اللہ کی طرف سے ان کو بظاہر دھیل دی جا رہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿سَنَسْتَدِرِ جُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الاعراف: ۱۸۲) اس بارے میں کتاب الکافی [الکلینی] کے صفحہ [۱۸۲/۲] پر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے صاحب کتاب رقمطراز ہیں کہ ”آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلم اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ بندہ ہے جو گناہ کرے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس پر نعمتوں کی بارش کرتا چلا جائے اور وہ ان بیش بہانعمتوں میں ایسا محو اور مگن ہو جائے کہ اسے اپنے کئے گناہوں سے استغفار کی بھی توفیق نصیب نہ ہوا سے عربی زبان میں استدراج کہا جاتا ہے کہ تو بہ واستغفار کی توفیق سلب کر لی جائے۔

اور غیر اللہ سے استغاثہ کرنا گناہ ہی نہیں بلکہ بالاتفاق عظیم ترین جرم بھی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آله و سلم سے دریافت فرمایا کہ کون سا گناہ، گناہ عظیم ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آله و سلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرو حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے۔

ایک مسلمان کا اس بات پر سو فیصد یقین ہے کہ دعا عبادت ہے اور عبادت اللہ کے علاوہ کسی اور کی کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمادیا ہے: ﴿وَأَنَّ الْمَسْجَدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ (الجن: ۱۸) اور مساجد اللہ ہی کے لئے خاص ہیں، الہذا اللہ کے ساتھ کسی اور کوئی پکارو۔ اسی طرح نذر بھی عبادت ہے اللہ کے علاوہ کسی اور کی نذر نہیں مانی جاسکتی اسی لئے نوری طبری نے (المستدرک: ۱۶/۸۲) پر امام جعفر صادق صلی اللہ علیہ و آله و سلم کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے غیر اللہ کی نذر ماننے سے منع فرمایا ہے۔ آیت اللہ اعظیم محمد امین زین الدین اپنی کتاب ”كلمة التقوی“ میں (۲۲۲/۲) پر [۲۳] نمبر مسئلہ کے تحت رقمطراز ہیں کہ غیر اللہ کی نذر ماننا جائز نہیں ہے خواہ وہ کسی رسول، نبی، ولی، فرشتہ یا نیک بندے کی ہی کیوں نہ ہوا ورنہ ہی کعبہ مساجد و معبادیا مقدس مقامات کی نذر ماننے کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ و آله و سلم کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو بتلادیں ”آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلم بھی کسی کو نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ و آله و سلم کا یہ حال ہے تو پھر دوسرے انبیاء و ائمہ کا کس زمرے میں شارہوگا اللہ تعالیٰ نے سورہ جن میں ارشاد فرمایا ہے ﴿قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّيْ وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا۝ قُلْ إِنِّي لَا أَمِلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا۝﴾ (الجن: ۲۰-۲۱) ترجمہ: ”آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور کہہ دیجئے کہ مجھے تمہارے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں۔“

الہذا کسی عقل مند کو شیطان کی چکر میں پھنس کر دھوکہ کا شکار نہ ہونا چاہئے اور قارئین کو بخوبی معلوم ہونا چاہئے کہ اس قسم کے قصے کہانی نقل کرنے میں میرا یہ مقصد کا رفرما ہے کہ میں لوگوں کو ان افکار و عقائد سے باخبر کر دوں جو اللہ تعالیٰ سے تعلق کی کمزوری اور ایمان میں ضعف کی وجہ سے بعض سادہ لوح عوام کے ذہن میں سراہیت کر گئے ہیں ورنہ کون سی عقل سليم اس قسم کے عقائد کو قبول کر سکتی ہے جس ذہن و دماغ میں یہ آیت گونج رہی ہو ﴿أَلَيْسَ

گرایا جائے گا چنانچہ جب میری پھوپھی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ان کے والد نے اس کا نام عقیل رکھا ان کے گھروالوں نے بیٹے کے بارے میں جونذر مانی تھی وہ اس کو چند سال اسی انداز میں پورا کرتے رہے مگر ابھی اس نذر کو مناتے ہوئے چند ہی سال کا عرصہ گذراتھا کہ اللہ تعالیٰ نے عقیل کی بصیرت کو کھول دیا اور اس کے دماغ نے یہ بات محسوس کی کہ اللہ وحده لا شریک له کے علاوہ کسی اور کی نذر نہیں مانی جانی چاہئے اور امام علی جن کی نذر مانی جا رہی ہے وہ انسان ہی تھے اور کسی انسان کی ذات سے عبادت کو منسوب نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس کی بارگاہ میں دعا کی جاسکتی ہے اور نہ اس سے استغاثہ کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی نذر مانی جا سکتی ہے، لہذا عقیل نے سب سے پہلے عقل مندی کا کام یہ کیا کہ اپنی والدہ کو اس نذر کی حرمت کے بارے میں قائل کیا میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ایک یادگار قصہ پیش آ چکا ہے جس کی حیثیت کسی لطیفہ سے کم نہیں یہ داستان بھی عقیل بھائی جیسی ہی ہے۔ قصہ یہ ہے کہ بچپن میں میری گردن کا آپریشن ہوا تھا مگر زخم مندل ہونے کے بجائے پک گیا جس کی وجہ سے دوبارہ آپریشن کرنا پڑا۔ میری والدہ کا کہنا ہے کہ آپریشن کی وجہ سے میری صحت بہت خراب ہو گئی تھی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ میں موت و حیات کی کشکش میں بتلا ہو گیا تھا۔

میری والدہ کو فکر دامن گیر ہوئی۔ چنانچہ کسی شیعہ ملانے میری والدہ کو نصیحت کی کہ تم ”منامہ“ کے علاقہ میں واقع مزارات میں سے کسی ایک مزار پر جاؤ اور خصوصی طور پر علی کی دہائی لگا کر نذر مانو کہ وہ مرض سے مجھے نجات دلادیں اور میں تند رست ہو جاؤں اور آپ کا عقیدہ بھی ہونا چاہیے کہ یہ اولیاء نفع رسائی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

غیر ارادی حالات کی بنابر دن گزرتے گئے مگر میری والدہ اس مدت مدیدہ میں اس

⇒ ⇒ ﴿اللُّهُ بِكَافِ عَبْدَه﴾ (الزمر: ۳۶) ”کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟“ مسلمان کے لئے ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کافی و شافی ہے مگر بندے کی زبان حال سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ضاحت فرمادی ہے ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ (یوسف: ۱۰۶) : ”ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔“

نذرِ کوئی جامہ پہنانے سکیں یہاں تک کہ میں بڑا ہو گیا۔

چنانچہ محضر اللہ کی ہدایت اور توفیق کی وجہ سے جب میں عقیدہ اہل سنت والجماعت کے دائرے میں داخل ہو گیا تو میرے گھروالوں نے چاہا کہ مجھے یہ بات باور کرائیں کہ میرے اہل سنت والجماعت کا مذہب قبول کرنے میں اہل بیت ﷺ کے حق میں ظلم اور بے ادبی کا ارتکاب پنهان ہے۔ انہوں نے میری والدہ کی مانی ہوئی نذر کا بھی تذکرہ کیا اور بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی کہ اگر آل بیت ﷺ کی نظر عنایت اور ان کا کرم خاص شامل حال نہ ہوتا تو تم کبھی شفایا ب نہ ہوتے بلکہ تمہارا نام و نشان اور وجود تک نہ ہوتا یہ تو انہی کی دین ہے کہ تم صحت و عافیت سے بہرہ ور ہو کر زندہ ہو گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے نذر پر مجھے ڈرایا دھمکایا اور مجھے تغییب دینا شروع کر دی کہ میں ان کے ساتھ نذر ادا کرنے کی غرض سے مزار پر حاضری دوں تاکہ میں کسی اندوہ ناک واقعہ سے دوچار نہ ہوں۔

انہوں نے وقفہ و قفر سے اپنے ساتھ مزار پر حاضری کے لئے مجھے قائل کرنے کی کوشش کی اور سنی مذہب سے مرتد ہو کر شیعی مذہب قبول کرنے کی تگ و دو کی لیکن ان کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں اور وہ کسی صورت میں اپنی اس سازش میں کامیاب نہ ہو سکے تاہم اس جدوجہد نے میرے اندر ایمان کی جڑیں مضبوط کر کے اس کو بال و پر عطا کر دیئے۔

مضنکھہ خیز بات یہ ہے کہ اس مزار میں دفن صاحب قبر سے استغاثہ اور اس نذر و نیاز کرتے ہوئے ابھی چند ہی سال کا وقفہ ہوا تھا کہ یہ حقیقت سامنے آگئی کہ اس کے بارے میں جو باتیں پھیلائی گئی تھیں۔ ان کی حیثیت اورہام و خرافات سے زیادہ کچھ بھی نہیں ① حقیقت واضح ہو جانے کے بعد مزار پر بلڈوزر چلا دیا گیا پوری زمین کو ہموار کر کے استعمال کے قابل بنادیا گیا یہ محضر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا لطف و احسان ہے۔

① چنانچہ ۱۴۲۵ھ بمطابق - مطابق مئی ۲۰۰۳ء کو بعض شیعی اشتہارات کے ذریعہ اعلان کیا گیا کہ اس جگہ مزار ہے۔ لہذا اس کے بارے میں یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ اس جگہ مہدی منتظر کے قدموں کے نشانات پائے جاتے ہیں اور یہ جگہ بابرکت ہے۔

امام خوئی کا چاند میں ظہور

جب شیعہ کے مرجع اعلیٰ اور نجف میں شیعوں کے علمی مرکز حوزہ کے قائد امام خوئی وفات پائی گئی اور ان کی موت کے جلوس، جس میں ان کی لاش کی شبیہ بھی اٹھائی گئی تھی سے ہم لوگ فارغ ہو گئے تو جلوس میں شامل افراد کے پاس مخارفہ نامی محلہ سے یہ خبر پہنچی کہ امام خوئی کا چاند پر ظہور ہوا ہے اور انہیں رات کے اندر ہیرے میں چاند میں جلوہ نماد یکھا گیا ہے جب ہم نے چاند کا اسی وقت مشاہدہ کیا تو دور دور تک ان کا اس میں نام و نشان تک نہ تھا مگر منامہ (بحرین) کے کچھ لوگ اس خبر کی اندر ہی تصدیق پر مصروف تھے اور اس کے وقوع کا زور روشور سے پروپیگنڈہ کرتے گھوم رہے تھے یہ خبر پورے منامہ میں جنگل کی آگ کی مانند پھیل گئی۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس خبر کی تصدیق کر رہی تھی جب کہ زیادہ تر عورتیں اس کی تصدیق میں آگئے آگئے تھیں۔

جس دوران ہم لوگ جلوس میں شریک ہو کر چھل قدمی کر رہے تھے کہ ایک دم سے لوگ چاند کی طرف اشارہ کرنے لگے اور امام خوئی کے چاند میں وجود کی خبر کا دعویٰ کرنے لگے اسی دوران میرے ایک دوست علی نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ کیا تم کو کچھ اس چاند پر نظر آ رہا ہے میں نے اپنے دوست سے کہا کہ مجھے تو امام خوئی ووئی چاند پر نظر نہیں آ رہے ہیں میرے دوست نے بھی مجھ سے یہی بات کہی کہ مجھے بھی چاند پر ایسی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی ہے۔ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ تم ان لوگوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کیوں کہہ رہے ہو کہ امام خوئی کا عکس چاند میں نظر آ رہا ہے؟ حالانکہ حقیقت میں تم کو چاند صاف نظر آ رہا ہے اور اس میں کسی کا کوئی عکس نہیں ہے۔ میرے دوست نے مجھ کو جواب دیا کہ کیا تم لوگوں میں جوش و خروش

نہیں دیکھ رہے ہو؟ اگر میں نے ان کی مخالفت میں یہ کہا کہ چاند میں کوئی نظر نہیں آ رہا ہے تو ان کا سارا جوش جذبہ میرے خلاف ٹوٹ پڑے گا اور میں تختہ مشق بن جاؤں گا۔ مجھے اپنے دوست کی اس بات پر بڑی ہنسی آئی اور اس کے اس موقف سے درس عبرت حاصل ہوا جس کی اثر پذیری کا مجھے بعد میں احساس ہوا۔

منامہ کے ایک شخص نے اس عجیب و غریب جھوٹی خبر پر یہ تردید لکھ کر شائع کی کہ رسول اللہ ﷺ نے جس دن وفات پائی اس دن آپ ﷺ کا چاند پر ظہور تک نہ ہوا لیکن امام خوئی اپنی وفات کے پہلے دن، ہی چاند پر جلوہ افروز ہو گئے۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ



شیعیت سے نفرت کا سبب

سب سے پہلے میں اس بات کی وضاحت کر دوں کہ مجھے کوئی یہ خیال نہیں کہ میں اخلاق کی اس بلندی، عادات کی اس پاکیزگی، اور روح کی اس بالیدگی میں پہنچ گیا ہوں جس پر انسان کو پہنچنا چاہئے لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ انسان خواہ اپنی تہذیب و ثقافت اور اپنے دین و مذہب پر قائم ہو، تاہم ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے جس سے تجاوز کرنے والے نے فطرت سلیمہ اور اخلاقی کریم کی ساری حدود تجاوز کر کے انسانیت کا خون کر ڈالا ہے جس کو کوئی معاف نہیں کر سکتا۔

سب سے پہلے میرے درمیان اور اس مذہب کے درمیان، جس پر میں گامزن تھا، جو
ٹکراؤ ہوا وہ مذہب شیعہ کا اخلاقی پہلو تھا دراصل اس مذہب کا اخلاقی پہلو بڑا گھنا و نا اور اتنا
گھٹپیا ہے کہ عقل انسانی جس کے بارے میں تصور نہیں کرسکتی۔

ابتداء میں، میں خود کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیتا تھا کہ شیعوں کی غیر اخلاقی حرکات دراصل ذاتی افعال سے عبارت ہیں اور جن چیزوں کا گا ہے بگا ہے، میں ملاحظہ کرتا رہتا ہوں اس کا مذہب سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، حتیٰ کہ وہ دن آ گیا جب اللہ تعالیٰ نے میری بصیرت کھول دی اور میں حقیقت سے آشنا ہو سکا۔ دراصل مذہب شیعی میں جن چیزوں سے مجھے دل کوفت ہوتی ہے وہ تین چیزیں ہیں۔)

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گلوج کرنا اور تبرے بازی کرنا۔

۲۔ متعہ جیسے قبیح فعل کے جائز ہونے کا عقیدہ رکھنا۔

۳۔ غیر اللہ سے دعا کیں کرنا اور مردہ مخلوق سے حاجت روائی کی امید رکھنا

یہی وہ تین چیزیں ہیں جنہوں نے درحقیقت میری زندگی کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ میں نے اس باطل عقیدہ کو چھوڑ کر عقیدہ اہل سنت والجماعت کو اپنایا ہے۔ دراصل یہی وہ عقیدہ ہے جس کی عدالت و دشمنی میں میری زندگی کے سنہرے ایام گزرے تھے اور زمانہ جاہلیت میں جس کی طرف بعض کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین کو گالی دینا اور ان پر تبرابازی کرنا:

میرا حال یہ تھا کہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین سے بعض رکھتا تھا ان کے بارے میں میرا یہ خیال تھا کہ انہوں نے آل بیت رضی اللہ عنہم جمعین پر ظلم کیا ہے لیکن اس کے باوجود میں نے کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین کو گالی دینے اور ان پر لعن ملامت کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی اس خیال نے مجھ کو اس عمل بد پر اکسایا تھا۔ اس وقت میرے نزدیک اس مسئلہ کی حیثیت محض اخلاقی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین کے بارے میں اس وقت میری کیا رائے تھی؟

драصل میں سمجھتا تھا کہ کوئی دین یا مذہب اپنے پیروکاروں کو اس طرح کا رو یہ اختیار کرنے کی ترغیب نہیں دے سکتا۔ میں نے کبھی بھی ایسا نہیں سنا کہ کوئی مذہب اپنے پیروکاروں کو، مردہ لوگوں کو گالی دینے کی ترغیب دے اور ان پر لعن و طعن کو باعث لذت کام و دہن سمجھے یہاں تک کہ قضاۓ حاجت کے دوران وقت گزارنے کا اس کو ذریعہ قرار دے (العیاذ بالله)

شیعوں کے عالم محمد التوسیر کانی اپنی کتاب ”لالی الاخبار“ کے صفحے نمبر ۹۲/۳ پر رقم طراز ہیں:

”تم کو اس بات کا بخوبی علم ہونا چاہئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین پر لعن و ملامت اور گالی گفتاری کے لئے سب سے بہتر وقت اور موزوں مقام وقت قضاۓ حاجت کا وقت ہر مرتبہ خوب ٹھنڈے دماغ کے ساتھ یہ کلمات و ردیبان رکھا کرو۔“ (علیہم لعنة اللہ)

((اللَّهُمَّ إِنْ عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَعَنْ عُثْمَانَ ثُمَّ مَعَاوِيَةِ
وَعَمِيرٍ..... اللَّهُمَّ إِنْ عَنْ عَائِشَةَ وَحَفْصَةَ وَهَنْدَأَمِ الْحُكْمِ،
وَالْعَنْ مِنْ رَضِيَ بِأَعْمَالِهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

”اے اللہ! عمر و ابو بکر اس کے بعد عثمان اور پھر امیر معاویہ و عمر پر لعنت فرم۔ اے
اللہ! عائشہ، حفصہ، ہندہ اور ام حکم پر اور جوان کے کارناموں سے رضا مندی کا
اظہار کرے ان پر قیامت تک لعنت نازل فرم۔“

میں انگشت بدندال تھا اور جس وقت مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ ہمارے مذہب شیعی
میں جو مکن گھڑت روایات ہیں اور جو قصے کہانیاں ہیں یہ اسی کی کرشمہ سازی ہے جس نے ہمیں
بلا وجہ برائیختہ کرنے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عین پر اور جوان سے ہمدردی اور تعلق رکھے، ان کو گالی
دینے اور لعن طعن پر ابھارنے میں بڑا ہم کردار ادا کیا ہے۔ ان روایات میں سب سے پہلے
صحابہ کرام کی تکفیر اور ارتداد کی تہمت طرازی کر کے مذہب شیعی کے مشن کی ابتداء کی جاتی
ہے۔ اس کے بعد مذکورہ روایات کے رو برو اصحاب رسول پر لعن طعن کرنے کا مرحلہ آتا ہے
آخر میں ان سے براءت کا اظہار کیا جاتا ہے یہ تمام کی تمام چیزیں قدیم اور جدید کتابوں میں
ترتیب کے ساتھ لکھی ہوئی ہیں اور تمام شیعہ حضرات اس کو چاہتے ہیں۔

ان میں سے ایک روایت یہ ہے جس کو جال الکشی نے نقل کیا ہے:

”حضرت حنان بن سدیر اپنے والد سدیر سے روایت کرتے ہیں کہ امام
جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد تین اشخاص
کے علاوہ سارے کے سارے لوگ مرد ہو گئے تھے۔ میں نے کہا کہ وہ تین
اشخاص کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: حضرت مقداد بن الاسود، حضرت ابوذر
غفاری، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم عین۔ بعد ازاں چند اور لوگوں کے ایمان کے
بارے میں انکشاف ہوسکا اور فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی بیعت پر لوگوں کی

نگاہیں جبی ہوئی تھیں ان لوگوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا اور بہ دل ناخواستہ امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت کی۔^۱

بعض روایات میں ہے: ”ان تین صحابہ کرام کے ساتھ چار صحابہ اور بھی آ کر مل گئے تھے تاکہ صحابہ کے زمانے میں شیعوں کے اعتقاد کے مطابق مومنین کی تعداد سات تک ہو سکے۔ لیکن سات کے عدد سے زیادہ اس وقت مومنین کی تعداد نہیں تھی مراد یہ کہ سات صحابہ ہی ایمان کے دائرے میں محفوظ رہ سکے تھے اور باقی نعوذ باللہ مرتد ہو گئے تھے (سبحانکہ هذا بهتان عظیم)۔

اس بارے میں شیعوں کی جو روایات شاہدِ عدل ہیں ان میں سے حضرت حارث بن مغیرہ سے روایت ہے کہ

”انہوں نے عبد الملک بن اعین کو ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سوال کرتے ہوئے سنائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگ ہلاکت و بر بادی کا شکار ہو گئے^۲ تو ابو عبد اللہ علیہ السلام نے جواب دیا کہ خدا کی قسم ایسا ہی ہے اے ابن اعین! تمام کے تمام لوگ ہلاکت و بر بادی کی وادی میں پڑے تھے۔ ابن اعین کہتے ہیں، میں نے کہا کہ اس کے بعد اب مشرق و مغرب میں کون صحیح ایمان پر ثابت قدم بچا تھا؟ تو راوی کا کہنا ہے ابو عبد اللہ علیہ السلام نے جواب دیا کہ گمراہی و بے راہ روی کے دہانے کھل گئے تھے، خدا کی قسم! تین افراد کے علاوہ تمام کے تمام ہلاک ہو گئے تھے۔^۳

^۱ ”الکافی: ۸/۲۲۵، اور کتاب ”الدرجات“، ص: ۶۱۳۔

^۲ اس سے شیعوں کی مراد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بیعت کے بعد یہ صور تھاں درپیش ہوئی تھی۔

^۳ ارد بیلی کا قول ہے کہ ابو سasan کا نام الحصین بن المنذر ہے اور ان کو ابو سنان بھی کہا جاتا ہے اس کے بعد انہوں نے بھی یہی روایت رجال الکشی سے نقل کی ہے۔

اس پر میں نے شیعی مذهب سے رجوع کا ارادہ کیا اور تفسیر کے مطالعہ کی غرض سے میں نے اللہ کا یہ قول نہایت تدبیر میں و تفکر سے پڑھا۔

﴿وَالسَّبِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ
بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعْدَّ لَهُمْ جَنَّتٌ تَجْرِي
تَحْتَهَا الْأَنْهَرُ خَلِيلِيهِنَّ فِيهَا آبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبۃ: ۱۰۰)

”اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللدان سب سے راضی ہو گیا اور وہ سب اس سے راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر کر کھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین سے راضی ہو گیا ہے حضرت ابو بکر، عمر عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی و قاص، عبد اللہ بن مسعود سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کے حق میں یہ بالکل صریح ہے حالانکہ شیعہ ان کو ہدف مطاعن بناتے ہیں۔

چنانچہ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ کیا ایسا ممکن ہے اور کیا یہ بات قرین قیاس ہے اور کیا کوئی عقل مند یہ باور کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم روارکھتے ہوئے غاصبانہ طور پر ان سے زبردستی خلافت چھین لی ہو حالانکہ وہ صحابہ ہیں جن کے بارے میں قرآن کہہ رہا ہے کہ وہ ان سے راضی ہو گیا اور ان کے لئے جنت نعیم بطور مہماں تیار ہے اگر نعوذ باللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم کیا ہوتا یا ان سے زبردستی خلافت غصب کی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان سے رضامندی کا کیوں اعلان کرتا؟

چنانچہ صحابہ کرام میں سے ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم وہ حضرات ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے ہیں کہ وہ ان سے راضی تھے اور ان کی مدح و ثنا

میں آیات قرآنیہ کا نزول ہوا ہے پھر کیسے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہی لوگ جن کی مدح سراہی قرآن نے کی ہے، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کفر کی گندگی میں جاگریں حتیٰ کہ شیعہ نے ان پر بہتان باندھا ہے کہ انہوں نے قرآن کریم میں تحریف کی ہے اور معاملہ دین کو تبدیل کر ڈالا ہے احکام شرعیہ میں ترمیم کی ہے اس اقدام کی وجہ سے شیعوں نے اپنے آپ کو مجرمین کے کٹھرے میں لے جا کر کھڑا کر لیا ہے ہمارا شیعہ حضرات سے سوال ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ اس کے رسول ﷺ کی موت کے بعد صحابہ کرام مرتد ہو جائیں گے یا نہیں اگر جواب ہاں میں ہے اور یقیناً ہاں میں ہے تو ہم کہیں گے کہ یہی اعتقاد تمام مسلمانوں کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ماضی حال مستقبل پر محیط ہے اس صورت میں ان آیات کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے گی جن میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی تعریف کی ہے کیونکہ شیعوں کے نزدیک رسول ﷺ کی وفات کے بعد سارے کے سارے صحابہ یا تو منافق ہو گئے ہیں یا مرتد ہو گئے ہیں؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے رسول ﷺ کی مدح و ثناء کر کے اور اصحاب رسول سے رضامندی کا اظہار کر کے (نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ نَعُوذُ بِاللَّهِ) اپنے رسول ﷺ کو دھوکہ دینا چاہتا ہے اور کیا ان اصحاب ثلاثہ کی رسول اللہ ﷺ سے رشتہ داری محض تماشہ تھی اور رسول اللہ ﷺ کا ان صحابہ کرام پر اعتماد محض دھلا و اتحا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ لوگ مرتد ہو گئے۔

(سبحانک هذابہتان عظیم)

اس فتسم کی بیہودہ سوچ دین کے ساتھ مذاق ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرگز زیب نہیں دیتی بلکہ یہ سوچ صریح اور کھلا کفر ہے۔

فرض کریں اگر حقیقت یہی ہے جو شیعوں کا عقیدہ ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حقیقی صفات کا قرآن کریم میں تذکرہ کر کے اپنے نبی ﷺ کو اس بارے میں آگاہ کیوں نہ کیا؟ رسول اللہ ﷺ کی موت کے بعد عنقریب وہ اپنی دینی حالت سے منہ موڑ

کرا رتداد کی راہ اختیار کر لیں گے اس چیز سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو زندگی ہی میں آ گاہ کیوں نہیں کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بالکل دروغ گوئی اور اتهام بازی ہے یہ حضرات اپنے اس موقف کی وجہ سے ملت اسلامیہ کا جنازہ نکالنے پر تلے ہوئے ہیں اور دین و مذہب کے نام پر اسلام کا قلع قمع کر دینا چاہتے ہیں۔

آخر میں ہم اس حتمی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ چونکہ فریق مخالف کے پاس کوئی جواب نہیں ہے اور حق بات یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ صحابہ کرام سے راضی ہو گیا اور ان کو اپنے قرآن عظیم اور اپنے نبی کریم کی زبانی دنیا ہی میں جنت کی بشارت سے بھی نواز دیا۔ جس سے پہنچتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے رسول ﷺ کے نقش قدم اور اپنے نبی کی سنت پر گامزن رہے اور ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اتباع سنت کی جیتنی جاگتی تصویر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَأِ يَعْوُنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَإِنَّمَا السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَآثَابُهُمْ فَتُحَاجَّا قَرِيبًا﴾

(الفتح: ۱۸)

” بلاشبہ اللہ تعالیٰ مونموں سے خوش ہو گیا جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتیں جانتا ہے اور اس نے ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں عنقریب فتح عنایت فرمائی۔“

ہمارا سوال ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ کوئی شخص باخبر ہو سکتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی اور ان کے دلوں کے بھیدوں سے مطلع ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے رضا مندی اور خوشنودی کا اپنی کتاب عزیز میں اظہار فرمادیا ہے اور ان پر اطمینان کے نزول کو بھی اس میں بیان فرمادیا ہے لہذا کسی کو بھی پس و پیش کی اجازت نہیں اور نہ کسی قسم کے شک کی کوئی گنجائش باقی ہے۔

عقیدہ متعہ کیا ہے؟

جہاں تک متعہ کا تعلق ہے ہمارے نزدیک ایک شیعی فرد ہونے کی وجہ سے متعہ کے جواز کی آزادی موجود ہے لیکن شروع ہی سے میرے گوشہ دل میں کسک پائی جاتی تھی اور میں کسی صورت میں متعہ کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو پاتا تھا اگرچہ ابھی تک میں اس کے جواز اور عدم جواز کے دلائل سے ناواقف تھا اور میری آنکھوں کے سامنے اس کی عدم جواز کا بیان تک نہیں گزرا تھا لیکن فطرتاً یہ نازیبا حرکت میرے نزدیک مردو دھنی اور میں جب اس موضوع پر مناظرہ ہوتے سنتا، تو مجھے مباحثت میں شرکت سے شرم محسوس ہوتی تھی کیونکہ اس کی جواز کے قائلین سے میرا صرف ایک ہی سوال ہوتا تھا کیا تم اپنی بہن کی ساتھ متعہ کے لئے راضی ہو تو مدد مقابل کا شرم وحیا سے فطری جواب نہیں میں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض لوگ اس کا جواب دیتے ہوئے آگ بکولہ ہو جاتے تھے مگر اس کے پاس کوئی چارہ کا نہیں ہوتا تھا۔

جہاں تک متعہ کی اباحت کا مسئلہ ہے اسلام نے اس کو وقت طور پر از راہ ضرورت جائز قرار دیا تھا ① بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا مستند روایات اس کی حرمت میں وارد ہوئی ہیں اور عجیب بات ہے کہ شیعہ میں یہ روایتیں پائی جاتی ہیں جن میں عقیدہ متعہ کی حرمت اور اس کی قباحت کا تذکرہ موجود ہے۔ اس کے باوجود ہماری قوم ان روایات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

- ۱۔ عبد اللہ بن سنان سے مروی ہے میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ اپنے نفس کو گندگی سے آلوہ کرنے کی کوشش مت کرو۔
- ۲۔ حضرت علی بن یقطینؓ سے مروی ہے میں نے ابو الحسن علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ تم کو اس بحث سے کیا سروکار ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے بے نیاز فرمایا ہے۔

۳۔ حضرت ہشام بن حکم حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے ہمارے یہاں نکاح متعہ، بازاری افراد کیا کرتے ہیں۔^②

۴۔ امام طوی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگلی گدھے اور نکاح متعہ کو حرام قرار دیا ہے۔

ان روایات کی رو سے متعہ میں کسی قسم کا جواز تلاش کرنا ممکن نہیں ہے، لہذا ذاکرین عظام اس موقع پر اپنا آخری حری حرہ استعمال کریں گے اور وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم ان روایات کو تقبیہ پر محمل کریں گے کیونکہ یہ عوام کے مذہب کے موافق ہیں۔

شیعہ حضرات ان مذکورہ روایات کو ان کے صحیح اور مستند ہونے کے باوجود ماننے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ یہ اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے موافق ہیں۔



^① فتح خیر کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کافر عورتوں کے ساتھ ۳ دن کے لئے حلال کیا تھا۔

^② النوادر لابن عیسیٰ القمی، ص: ۸۷۔

شیعہ مذہب تضاد فکری پر مشتمل ہے

عاشراء کی رات (شام غریب) کو ابو عبد اللہ علیہ السلام کی مصیبت کی یاد اور ان کے غم میں شرکت کی غرض سے نوحہ و ماتم کرنا، گریباں چاک کرنا، خون و خرابہ کرنا، سینہ کوبی کرنا اور گالوں پر تماچے لگانا یہ چیزیں بچپن سے ہمیں وراثت میں ملی تھیں لیکن کسے توفیق تھی کہ ٹھنڈے دل سے سینے پر ہاتھ رکھ کر ایک لمحہ کے لئے غور و فکر کرے کہ کہیں ہم ڈھونگ تو نہیں رچا رہے ہیں۔ کیا اس میں قرآن و سنت سے کوئی مستند جحت موجود ہے اور جو ہم کر رہے ہیں نصوص شرعیہ اس کے کرنے کی اجازت دیتی ہیں یا نہیں۔

خاندان میں کوئی شخص دور دور تک غور و فکر کرتا ہوا دکھائی نہ دیتا تھا، سال گزرتے گئے اور عمر رفتار سے اپنا سفر کرتی رہی اور میں اسی خواب خرگوش میں مست زندگی کے قیمتی لمحات ضائع کرتا رہا۔ لیکن یکا یک میری زندگی کی کایا پلٹ گئی اور مجھے میرے ضمیر نے ملامت کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ میں اچانک تبدیلی آنا شروع ہو گئی اور دیکھتے دیکھتے میری زندگی کی گاڑی سیدھی راہ پر گامزن ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ اہل سنت والجماعت کے زمرے میں شامل ہو کر میں نے سنت کی اتباع کو اپنا شیوه زندگی بنالیا۔

میں نے بے راہ روی کی زندگی گزاری لیکن ایسی زندگی گزارنا میرے وہم و خیال میں نہ تھا میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میں اوہام و خرافات کے اندر ھیرے میں رہ کر اپنی زندگی کے ایام گزاروں گا۔

ایک دفعہ شیعی عالم تبریزی سے جب حسینی شاعر یا فراپض کے متعلق پوچھا گیا کہ ان کی مشروعيت کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ انہم کرام کے دور میں شیعہ حضرات عقیدہ تقيہ پر عمل

پیرا ہو کر زندگی گزارنے کے عادی تھے ان کے زمانے میں شعائر حسینیہ یا فراکض حسینیہ کے ناممکن ہونے کی وجہ سے اس کا وجود تک نہ تھا لیکن اس کی عدم موجودگی کو عدم مشروعیت کی دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ شیعہ حضرات کو اگر شعائر کے اظہار کے امکانات میسر ہوتے تو وہ ضرور ان شعائر پر عمل درآمد کرتے۔ ①

شیعہ علماء کے مستحسن اور مستحب قرار دینے پر کتاب و سنت سے کوئی نص صریح موجود نہیں ہے اور نہ ہی ہمارے اسلاف کرام کا یہ شعار رہا ہے کہ وہ ان ایام میں کسی قسم کے رسم و رواج کی پابندی کریں۔

جو شخص بھی ائمہ آل بیت علیہم السلام اور قدیم علماء شیعہ کے اقوال و آثار کا مطالعہ کرے گا۔ اس پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ وہ اس قسم کے شعائر اور رسم و رواج کے خلاف تھے۔ چنانچہ ابن بابویہ قمی رقم طراز ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ بے نظیر ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نوحہ و ماتم جاہلیت کے شعائر میں سے ایک شعار ہے، یعنی یہ جاہلانہ عمل ہے جس کا اسلامی تہذیب و ثقافت سے کوئی واسطہ نہیں۔ ② نوری طبری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے: تین چیزوں کا شمار جاہلی اعمال میں ہوتا ہے اور قیامت قائم ہونے تک لوگ ان میں بتلار ہیں گے ستاروں سے بارش ہونے یا نہ ہونے کی امید کرنا، حسب ونسب پر فخر کرنا، مردوں پر نوحہ ماتم کرنا۔“ ③

محمد باقر مجلسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جب رسول اللہ ﷺ کے صاحزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کی تجهیز و تکفین کروں اور غسل دلا کر خوشبوؤں میں معطر کر کے انہیں تیار کروں جب ان کو غسل

① ملاحظہ ہو: امام خوئی کی کتاب ”صراط النجاة“ ص، ۵۶۲ دوسری جلد کا ضمنہ

② من لا يحضره الفقيه : ٣٧٦/٤

③ مستدرک الوسائل لطبرسی ۱۴۳۱ / ۱

وغیرہ دلا کر تیار کر دیا گیا تو ارشاد فرمایا اے علی رضی عنہ ان کو اپنے بازوں پر اٹھا کر لے چلو میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اٹھالیا اور ان کو بقیع کے پاس لا کر نماز ادا کرنے کی غرض اپنے بازوں سے اتار کر رکھ دیا۔ ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی نبی کریم ﷺ نے ان کو قبر میں اتارتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ رونے لگے آپ ﷺ کا رونا تھا کہ صحابہ کرام رضی عنہم عنین نے بھی رونا شروع کر دیا اور ایک کھرام مج گیا عورتوں اور مردوں کے رونے کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس لوگوں کی شدت کے ساتھ رونے سے منع کیا اور فرمایا کہ آنکھیں اشکبار ہیں اور دل غمگین ہے اور ہم ایسی بات منہ سے نہیں نکال سکتے جس سے رب کریم ناراض ہو جائے اور ہم تمہاری موت سے شکستہ حال ہو چکے ہیں اور مارے غم کے نڈھال ہیں ①

یہاں نوحہ و ماتم کی تردید میں نبی کریم ﷺ کے دلوک موقف حضرت علی رضی عنہ کے اہم ترین فیصلہ کو ملاحظہ فرمائیں۔

اس موقع پر نوحہ کی حرمت کی تاکید کا بخوبی اندازہ لگائیں کہ آخر اس نوحہ کنانی اور گریہ زاری کو مستحب کس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے۔

شیعوں کے معتبر عالم طوی، اور ابن حمزہ نے نوحہ و ماتم کی تحریم کی صراحت کی ہے حتیٰ کہ امام طوی نے تو اس کی تحریم پر اپنے زمانے کے شیعوں کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور بڑے جزم کے ساتھ اس کی حرمت کو ثابت کیا ہے۔ ②

شیعہ کی کتابوں میں صریح نصوص موجود ہیں کہ چہرے پر تھپڑ مارنا اور سینہ کو بی کرنا بدعت ہے جس کی انجام دہی نہ تو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ ہی اس سے رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی میسر ہوتی ہے اور نہ ہی ائمہ کرام میں سے کسی نے اس عمل پر اپنی رضا مندی کا اظہار کیا ہے۔

چنانچہ امام باقر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ بدترین بے صبری یہ ہے کہ انسان چیخ چیخ کر اور صف ماتم بچا کر اور اپنے آپ کو علی الاعلان کوس کوس کر غم کا اظہار کرے، گالوں پر تماچ مارتے ہوئے سینہ کوبی کرے، اور اپنی پیشانی کے بال نوچے لہذا جس شخص نے محفل عزاء منعقد کر کے نوحہ خوانی اور ماتم بازی کا اہتمام کیا اس نے بے صبری کا مظاہرہ کیا ہے اور اس نے راہ راست سے ہٹ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ ①

تاریخ میں یہ روایت موجود ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنی بہن زینب علیہا السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے میری پیاری بہن، اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا، مصیبت پر صبر سے کام لینا اور کان کھول کر سن لے کہ اہل زمین میں سے ہر شخص کو مرتنا ہے، اور اللہ کے علاوہ اہل آسمان کو بھی دوام نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے اس مخلوق کو محض اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے اور اس مخلوق کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اللہ کی ذات منفرد اور یگانہ ہے میرے والد بزرگوار ہم سے بہتر ہیں اور میری ماں مجھ سے بہتر ہیں اور میرے بھائی حسن علیہ السلام مجھ سے بہتر ہیں اور مسلمانوں کے ہر فرد کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات اسوہ اور نمونہ ہے۔

اس قسم کے کلمات پند و نصائح کے ذریعہ حضرت حسین علیہ السلام نے اپنی بہن کی ڈھارس بندھوائی اور پھر اپنی بہن کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے میری پیاری بہن! میں نے قسم کھالی ہے، لہذا میری قسم کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے اسے پورا کرنا میری قسم یہ ہے کہ اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو تم میرے مرنے پر گریباں چاک نہ کرنا نہ اپنے چہرے کو ناخنوں سے نوچنا اور نہ کوس کر مجھے بددعا دینا۔ ②

محمد بن علی عاملی جن کو شہید اول کے نام سے پکارا جاتا ہے سے امام طوی نے یہ قول نقل

① رواہ الكلینی فی الكافی (۲۲۲-۲۲۳/۳) اسی طرح اس کو فیض الکاشانی نے اپنی کتاب "الوافي" میں ۱۳/۸۷ الحرم العاملی نے اپنی کتاب "وسائل الشیعه" میں "۹۱۵/۲" پر نقل کیا ہے۔

② الملهوف لابن طاووس ، ص : ۵۰ اور منتهی الامال لعباس القمی : ۴۸۱/۱

کیا ہے کہ چہرے پر تماچے مارنا، گالوں کو نوچنا اور بالوں کو اکھاڑنا حرام ہے یہ قول کتاب مبسوط میں موجود ہے جس میں مزید یہ بھی ہے کہ یہ محل قضاء و قدر پر اللہ ناراضی کا اظہار کرنا ہے، یعنی بندے کا اللہ کی قضاء و قدر پر جزع و فزع کرنا اللہ کی ناراضی مول لینے کے متراffد ہے۔^①

جہاں تک محرم میں کا لالباس زیب تن کرنے کا مسئلہ ہے تو اس میں امام علیؑ کا یہ قول ہی کافی ہے کہ لوگو! کا لالباس مت پہنا کرو کیونکہ فرعون کا کا لالباس تھا)۔^②

جب ان تمام روایات کو میں نے پڑھا اور اس تجھیقت سے موازنہ کیا جس پر میں پروان چڑھا تھا اور اپنے اس موقف پر ناقدانہ نگاہ دوڑائی جس کو میں اہل بیت علیہ السلام کے ساتھ اپنی محبت کا پرتو گردانتا تھا تو میں حیرت و استتعاب کے عالم میں انگشت بدنداں رہ گیا کیونکہ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ عزاء داری اور نوحہ و ماتم کے سلسلہ میں جو کچھ میں کر رہا ہوں یہ خود فرائیں رسول اور اقوال اہل بیت علیہ السلام کی کھلم کھلا خلاف و رزی ہے۔



^① ملاحظہ ہو: الذکری ص (۷۲)۔

^② من لا يحضره الفقيه : ۱/۶۳، ورسائل الشیعہ : ۳/۲۷۸۔

جادوگر کا میا ب نہیں ہو سکتا

بھرین کے قضیبہ ① نامی علاقہ کا ایک شخص مریضوں کے روحانی علاج و معالجہ کے سلسلہ میں مشہور تھا وہ قرآن و سنت اور ادعیہ ما ثورہ کی روشنی میں لوگوں کی پوشیدہ بیماریوں کے علاج و معالجہ کا دعوے دار تھا۔

جب میں نے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ قبول کیا تو میرے اہل خانہ، دوست احباب اور علاوه میرے قربی رشتہ داروں نے انتہک کوشش کی کہ میں مرتد ہو جاؤں لیکن وہ مجھے مرتد کرنے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے مایوس ہو کر میرے خلاف پروپیگنڈے شروع کر دیے اور ہر طرح کے ہتھکنڈے برائے کار لانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

مجھے بہ کانے اور مجھے میرے پختہ عزم سے روک کر، مذہب شیعہ کی طرف قائل کرنے کے لئے ایک ایسے شخص کو ذمہ داری سونپی گئی جس کوشیعوں کے نزدیک علم و معرفت اور صلاح و تقویٰ کا حامل گردانا جاتا تھا چنانچہ اس شخص نے میرے قریب ہونا شروع کر دیا اور ہر فریب طریقہ سے مجھے اپنا تعارف کرایا کہ میں اس کا مطبع و فرمانبردار بن جاؤں اور آنکھ بند کر کے اس کی باتوں کے دام میں پھنس جاؤں اس نے سب سے پہلے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ میرے والد رحمہ اللہ کا لگوٹیا یار ہے تاکہ میری توجہ اور ہمدردی اپنی طرف مبذول کر کے مجھے آسانی سے اپنے چنگل میں پھانس لے۔

① القضیبہ: بھرین میں ایک مشہور علاقہ کا نام القضیبہ ہے اور اس کا محل و نوع منامہ ہے جو میری جائے پیدائش اور میرا آبائی وطن ہے اور قدیم زمانہ میں منامہ سے متصل علاقہ کا مصیف خاص طور سے اہل محرق کا پنک اسپارٹ بھی تھا کیونکہ وہاں کی آب و ہوا بڑی پر لطف ہے بعض کبار لوگوں نے مجھے بتایا ہے خاص طور سے میرے دادا اس مقام کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔

اس نے بعض چیزوں کی نشاندہی کی اور اپنے بعض قواعد و ضوابط کی طرف اشارہ کیا ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ اس نے میرے سامنے اچانک قرآن کریم کھولا اور بعض غیر معروف کلمات بدبدائے مجھے پڑھنے لیں کہ اس نے کن کلمات کاورد کیا پھر مجھ سے کہا اس آیت کی تلاوت کرو، میں نے اس آیت کی تلاوت کی اس کے خیال میں یہ ایک ایسی آیت تھی کہ جس کے ذریعہ وہ مجھے اس اقدام کے بارے میں وارنگ دینا چاہتا تھا جو میں نے سنی بن کر انجام دیا ہے۔

اس نے مجھ سے کہا کہ اس آیت کو آیت رحمت سے موسم کیا جاتا ہے اگر تم نے اس پر اپنی زندگی کو ڈھانے کی کوشش کی تو یہ تمہارے لئے خیر و برکت کی نوید ثابت ہوگی۔ جس رات تم اس آیت کو کئی مرتبہ اپنے کانوں سے سنو گے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ خیر و برکت تمہاری قدم بوئی کے لئے تیار ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا جو نہی میں اپنی کار پر سوار ہوا اور ریڈ یو کھولا اسی آیت کی تلاوت ہو رہی ہے جس کو میں نے اس شخص کے منہ سے سناتھا۔

میں نے گاڑی سے آواز لگا کر اسے کہا کہ تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ میری آوازن کرو شخص مسکرا یا اور کہنے لگا: کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہے اور تمہاری زندگی میں کامیابی کے آثار نہ مایاں ہیں لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ تم اس آیت کو حرز جاں بنالو۔

جب میں گھر پہنچا تو میں نے ٹیلی ویژن کھولا اس پر بھی اسی آیت کی تلاوت جاری ہے جس کی اس آدمی نے مجھے تلقین کی تھی۔

میرے ذہن میں وہی خیال آیا جو اس شخص نے مجھ سے کہا تھا۔ لہذا جلدی سے میں نے مصحف کھولا اور چاکب دستی سے میں نے اس کی ورق گردانی کی تو وہی آیت میرے سامنے آگئی جو اس شخص نے پڑھی تھی میں اس آیت کو اچانک دیکھ کر حیران رہ گیا کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ میری نیند اڑ گئی اور میں رات کو اس قصہ کی وجہ سے سونہیں سکا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ میں

خوف وہ راس کا شکار ہو گیا یا اس بات کی تعجب خیزی تھی کہ اس شخص نے یہ کیا کرتبا کیا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے اور کیسا کرتبا ہے جس کی اثر پذیری کی وجہ سے یہ بات مکر رونما ہو رہی ہے۔ میرے ذہن و دماغ پر یہ افکار و خیالات چھا گئے اور انہیں افکار و خیالات میں الجھ کر میں نے رات گزار دی کہ اس شخص کے قول کے مطابق کیوں کر رونما ہوا؟ اور میرے ساتھ یہ حادثہ کیوں پیش آیا اس کی کیا وجہ ہے اور اس کے پچھے کیا کیا راز پنهان ہیں یہ کس کا کرتبا اور کس کی کرشنہ سازی ہے میں اس کے دام میں کیوں پھنس گیا وغیرہ۔

چند دنوں بعد اچانک میری ملاقات ایک دوست سے ہو گئی جو میرے علاقہ ہی کا رہنے والا تھا۔ اس نے مجھ سے بر ملا کہا کہ میں نے لوگوں سے سنا ہے اس شخص نے لوگوں میں یہ افواہ اڑا رکھی ہے کہ ابو خلیفہ قضیی عنقریب مذہب اہل سنت والجماعت سے مرتد ہو کر شیعوں کے مذہب میں شامل ہو جائیں گے اور دوبارہ شیعوں کے رسم و رواج اور ان کے شعائر و واجبات کی پابندی کرنا شروع کر دیں گے اور اپنے سابقہ رنگ میں رنگ جائیں گے اس شخص کا کہنا تھا کہ مجھے اس کی اس بات پر ہنسی آگئی اور میں نے کہا کہ کیا یہ شخص جادوگر ہے یا علم غیب جانتا ہے جبھی تو ایسی بات کہہ رہا ہے۔

اس کے بعد میں غور و خوض کرنے لگا..... بہت زیادہ غور و خوض کے بعد یہی سمجھ میں آیا کہ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا بلکہ عین ممکن ہے کہ یہ شخص جادوگر ہو۔

چنانچہ میں نے اپنے دوست کی کہی ہوئی اس بات میں، جو اس نے اس ڈھونگی کے بارے میں کہی اور اس بات میں جو ڈھونگی نے مجھ سے اس آیت کے بارے میں کہی تھی موازنہ کرنا شروع کر دیا کہ اس کی کیا وجہ ہے اس نے کہا تھا کہ تم آیت کر یہ کورات میں بار بار سنو گے۔

میں نے اپنے والد کے دوست سے دریافت کیا کیونکہ وہ بھی میرے ہی علاقہ کے رہنے والے تھے انہوں نے مجھے صاف صاف یہ کہا کہ یہ شخص نیک نہیں بلکہ ڈھونگی ہے اس نے

جنت اپنے قبضہ میں کر رکھے ہیں جن سے یہ شعبدہ بازی کرواتا ہے۔

چنانچہ دن گزرتے گئے اور وہ شخص مجھے قائل کرنے کے چکر میں لگا رہا وہ مجھے یہ باور کرتا تارہا کہ وہ میرا خیرخواہ ہے وہ مجھے نصیحت کرتا رہا کہ تمام تر خیر مذہب آل بیت ﷺ کی اتباع میں ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آل بیت ﷺ کو ان کی دروغ گوئی اور تہمت طرازی سے بری الذمہ قرار دیا ہے اور صحابہ کرام کو ان کی لاف و گزارف سے محفوظ و مامون رکھا ہے۔

الہذا میں نے سوچا کہ اس کا امتحان لیکر اس کے علمی و ثقافتی پہلو سے آشنای حاصل کی جائے اور تاکہ پتہ چلے کہ یہ کتنے پانی میں ہے اس سلسلہ میں کئی مرتبہ مختلف مجلسوں میں توحید و شرک کے موضوع میرا اس شخص سے مباحثہ ہوا اور میں نے اس کے اندر وہ خانہ کو ٹھوٹنے کی کوشش کی۔ چنانچہ میں نے اس کو ان سوالات کے جوابات دینے میں عاجز محسوس کیا اور جو حقائق اس کی ذات کے بارے میں سامنے آئے تھے میں نے دلائل ساطعہ براہین قاطعہ کے سامنے اس کو بغلیں جھانکنے پر مجبور کر دیا اور اس کے سامنے اس موضوع پر جواباتیں کی گئیں اس کے جواب سے اس کو لا علم اور لا تعلق پایا۔

چنانچہ ایک مجلس میں جس میں ایک بہت بڑی تعداد شریک تھی اور ہمارے علاقہ کے سنی حضرات بھی اس مجلس میں خاطر خواہ تعداد میں شریک تھے۔ ہم نے اس شخص کے سامنے شرک سے متعلق بعض سوالات رکھے اور میں نے عوام کے سامنے اس شخص کے ساتھ اس سے اپنی پہلی میٹنگ کا بھی تذکرہ کیا اور میں نے اس میٹنگ میں اس کے موقف کو بھی بیان کیا اس کے بعد ہوا یہ کہ اس نے میرے ایک سوال کا بھی جواب نہیں دیا بلکہ وہ میرے سوالات کے جوابات سے پورے طور پر بے بس نظر آنے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے مجلس سے راہ فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی اور موقع پاتے ہی وہاں سے فرار ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اس کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی اس کے معاملہ کا رسوا کن پہلو عیاں ہو گیا اور لوگ اس کے

ڈھونگ سے بخوبی واقف ہو گئے۔

اس وقت مجھ کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد آنے لگا کہ

﴿وَلَا يُغْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى﴾ ۵ (طہ: ۶۹)

”جادوگر کہیں سے آئے کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔“

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَنِ لَكَانَ ضَعِيفًا﴾ ۵ (النساء: ۷۶)

” بلاشبہ شیطان کافریب کمزور ہے۔“

لیکن میرے مقابل نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حتی المقدور علاقہ کے لوگوں کو مجھ سے تنفر کرنے کی کوشش کی تاکہ میری دعوتی تاثیر ختم ہو جائے اس نے لوگوں کو کہا کہ یہ ہم لوگوں سے مخلص نہیں ہے۔

مگر اس کی یہ کوششیں کارگرنہ ہو سکیں بلکہ خود اس کے لئے و بال جان بن گئیں اور لوگ اس کی ڈینگوں کو پھانپ گئے جس کی وجہ سے اس کی حقیقت کھل سامنے آگئی اور لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہ ڈھونگ رچا رہا ہے اس دن سے اس نے گھر سے نکلا چھوڑ دیا اور باہر بہت کم دکھائی دینے لگا۔ اس کے بعد وہ پورے علاقہ میں جادوگر کے نام سے پکارا جانے لگا لہذا سربراہ اگر کوئی شخص اس کو مل جاتا تو اس سے بہانے کرنا شروع کر دیتا اور یہ دعویٰ کرنے لگتا کہ اس نے یہ عمل خیر کی نیت سے اپنایا ہے تاکہ لوگوں کی اس عمل کے ذریعہ خدمت کر سکے اور لوگوں کے درد کا مدارا بن سکے۔

ہمیں تعجب ہے کیا ان لوگوں نے آیت کریمہ کا مطالعہ نہیں کیا ان کو آیات کریمہ اور احادیث صریحہ کا ذرہ برابر علم نہیں جس میں جادو اور جادوگروں کی خوب خوب خبر لگی ہے اور جو جادو اور جادوگروں کے کفر کی صراحة میں واضح ہیں۔

لہذا اس شخص کو اس بات کا کیونکر حق پہنچتا ہے کہ واضح دلائل کو چھوڑ کر لوگوں پر عیب

جمانے کے لیے جادوگری اور شعبدہ بازی کا سہارا لے۔

ہمارے نزدیک ایس بے شمار مستند روایات موجود ہیں: جن میں جادو کی بیچ کرنی کی گئی ہے پہلی روایت یہ ہے ہلاک و بر باد کر دینے والی سات چیزوں سے بچو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عن عین نے عرض کیا کہ وہ سات چیزیں کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے جواباً جن سات چیزوں کا ذکر فرمایا اس میں شرک اور جادو سرفہرست تھیں۔^①

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے دادا حضرت علی علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں جس شخص نے علم سحر سیکھا [چاہے وہ تھوڑا ہو یا زیادہ] اس نے کفر کیا۔^②

امام علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے ”جو شخص کسی کا ہن یا نجومی کے پاس جائے اور اس سے فریاد کرے اور وہ نجومی جو کہے وہ اس کی تصدیق بھی کرے اس نے شریعت محمدی ﷺ کا انکار کیا۔^③



^① وسائل الشیعه (۱۵/۳۳۰)، وبحار الانوار (۷۸/۱۱۳)۔

^② وسائل الشیعه (۱۷/۱۴۸)، وبحار الانوار (۶۷/۲۱۰)۔

^③ مستدرک الوسائل (۱۳/۱۰۰)۔

تعصب کی بنابر قتل

جب تعصب اور تنگ نظری انہا کو پہنچ جاتی ہے تو لوگوں کے دلوں سے رحم و کرم اور اخلاق کا جنازہ نکل جاتا ہے پھر زندگی کے میدان میں ایسے ایسے حادثات رونما ہوتے ہیں جن پر اگر ایک طرف ہنسی آتی ہے تو دوسری طرف رونا بھی آتا ہے، اسی طرح کے واقعات میں سے دو واقعات ایسے ہیں جن کا ذاتی طور پر، میں نے مشاہدہ کیا ہے ان میں سے ایک واقعہ تو میرے ساتھ پیش آیا ہے اور دوسرے واقعہ ایک ایسے چھوٹے سے معصوم بچے کے ساتھ پیش آیا جس کو ہمارے ان تعصبات کی کوئی سمجھ بوجھ نہیں۔

قصہ یہ ہے کہ میں عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہا تھا کہ مجھے ایک عمر سیدہ شیعہ عورت جس کو ام ابراہیم کے نام سے پکارا جاتا تھا، وہ مجھے اور میرے اہل خانہ کو اچھی طرح جانتی تھی غالباً وہ مارکٹنگ کر کے آرہی تھی کیونکہ اس کے ہاتھ میں کچھ شاپر تھے جن میں گھر بیو ضروریات کا سامان تھا چنانچہ میں نے اس کو سلام کیا علیک سلیک کے بعد اس نے مجھ سے میرے، میری نانی، میری والدہ اور میری بہنوں کا حال پوچھا اس کے بعد از راہ ہمدردی میں نے اس کے ہاتھ سے شاپر پکڑے تاکہ اس کا بوجھ ہلاکا ہو جائے اس کا گھر مسجد کے قریب ہی تھا۔ جب ہم اس کے گھر کے پاس پہنچے تو اس نے مجھ سے پوچھا تم کہاں سے آ رہے ہو۔ میں نے مسجد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں اس مسجد سے آ رہا ہوں اس بڑھیا نے حیرت زدہ ہو کر کہا مسجد سے، اور مارے غصہ کے آگ بگولہ ہو گئی اور یہ کہتے ہوئے تھوک دیا اللہ تعالیٰ تمہارا منہ کالا کرے مجھے پتہ چلا ہے کہ تم نے شیعیت چھوڑ کر سنیت اختیار کر لی ہے۔ لیکن مجھے یقین نہیں تھا کہ تم ایسا موقف اختیار کرنے کی جرات کر سکتے ہو۔

جہاں تک عمر بن علی نامی بچے کا قصہ ہے اس کے ایک چچا کی زبانی اس قصہ کو آپ ملاحظہ فرمائیں۔ اس بچے کے چچا کا کہنا ہے کہ عمر کی دادی عورتوں میں بڑی بوڑھی تھی اور قضیبہ شہر کی رہنے والی تھی اس علاقہ کی شیعہ عورتوں سے اس کے اتنے گھرے راہ و رسم تھے کہ تمام عورتیں اس کے ساتھ مل کر مجلس عزا منایا کرتی تھیں ایک دن کا واقعہ ہے کہ اس علاقہ کی عورتوں نے مل کر مجلس عزا منعقد کی۔ اتفاق سے اس دن اس بوڑھیا کے ساتھ اس کا پوتا بھی اس مجلس میں شریک تھا جس کا نام عمر تھا عمر نہما منا، معصوم سما، بھولا بھالا بچہ تھا وہ اتنا چھوٹا تھا کہ اسے ٹھیک سے اپنانام تک لینا نہیں آتا تھا۔

جہاں مجلس عزا منعقد ہوئی تھی عمر اس عمارت کے صحن میں بچوں کے ساتھ کھیل کوڈ میں مشغول تھا کھیل ہی کھیل میں وہ زمین پر گر پڑا اور اس نے رونا شروع کر دیا۔ وہاں موجود ہمارے علاقہ کی عورتوں میں سے ایک عورت نے بچے کو اٹھایا اس کو بہلانا اور چپ کرانا چاہا تاکہ رونا دھونا ختم ہو اور ماحول پر سکون ہو جائے اس عورت نے اس بچے سے پوچھا کہ بھی تھی کہ اس کا تھہارا کیا نام ہے؟ بچے نے تلاتی ہوئی زبان سے جواب دیا ”امل“ اس کی مراد یہ تھی کہ اس کا نام عمر ہے اس عورت کو اس کی زبان سمجھ میں نہیں آئی تو اس نے دوبارہ پوچھا کہ بیٹا تمہارا نام کیا ہے تو اس بچے نے وہی جواب دھرا یا جو پہلے دیا تھا۔ اس وقت اس کی دادی آگئی اس نے جواب دیا کہ اس کا نام عمر ہے اس نام کا سننا تھا کہ عورت نے سخت قسم کے رد عمل کا اظہار کیا اور اس معصوم بچے کو دھکا دے کر کہا: دور ہو جاؤ میری نظرؤں سے..... تم پر اور نعوذ باللہ عمر پر اور جس نے تمہارا نام رکھا اس پر اور اس کے بعد جو بھی اپنے بچے کو اس نام سے موسوم کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

اس کے بعد جب اس بچے کی دادی مجلس عزا سے واپس آئی تو اس نے اس قسم کی مجلسوں میں جانے سے توبہ کر لی اور پھر کبھی اس قسم کی مجالس عزا میں شرکت نہیں کی۔

اس عورت کی اس بذریعیت سے آل بیت ﷺ پر کیسی لعن و ملامت ہوتی ہے اس نے اپنی اس

حرکت سے یہ بھی محسوس نہیں کیا کہ اس نے کتنی بھونڈی غلطی کی ہے جس کا اس کو احساس تک نہیں ہے اس کم بجنت کو کیا پتہ کہ عمر کا نام کتنا مبارک اور کتنا پیارا نام ہے چنانچہ امام طبری نے اپنی مشہور کتاب ”اعلام الورئی“، میں ۲۱۳/۱ میں لکھا ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا نام عمر تھا، اور امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے ایک بیٹے کا نام عمر رکھا تھا جیسا کہ شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب ”مشتبی الامال“، میں ۵۹/۲ پر لکھا ہے، اور اربیلی نے اپنی کتاب ”کشف الغمہ فی معرفة الائمه“، میں ۳۱/۳ پر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ امام موسیٰ کاظم کے ایک صاحبزادے تھے ان کا نام بھی عمر تھا یہ تعصیب نہیں تو اور کیا ہے کہ عمر کا نام سن کر منہ سے ناز پیدا الفاظ نکالے جائیں۔ یہ کیسا اندھا تعصیب ہے جوان کو اوندھے منہ جہنم رسید کر دینا چاہتا ہے جو اہل بیت علیہم السلام پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعن و طعن کرتا ہے اس کا حشر کیا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کا پاس و لحاظ نہیں اس نے شریعت محمد یہ اور تعلیمات اسلامیہ کو پس پشت ڈال دیا ہے اور ہوا نے نفس کا شکار ہو کر اسی کا اسیر اور غلام بن گیا ہے۔



امام منتظر کا مُعْما

اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی یہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک محل نزاع ہے کہ آخری زمانے میں امام مہدی علیہ السلام کا خروج ہو گا یہ بات حقیقی اور یقینی ہے امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو گا اور وہ آل بیت علیہ السلام سے ہوں گے اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا تعلق بنی فاطمہؓ پنی اللہؑ سے ہو گا۔

ایک شیعہ ہونے کے ناطے میں صاحب الزمان نامی شخص کا دل دادہ تھا بچپن سے باور کرایا گیا تھا کہ منتظر بہت سے القاب ہیں وہ حجۃ اللہ ہیں وہ القائم کے لقب سے بھی یاد کئے جاتے ہیں اور وہ صاحب الزمان کے لقب سے بھی ملقب ہیں اور ان کو ابو صالح کہہ کر بھی پکارا جاتا ہے اور وہ صاحب الامر بھی کہے جاتے ہیں وہ صاحب العصر کے لقب سے بھی بہرہ ور ہیں لیکن یہ بات میرے وہم و مگان بھی نہ تھی کہ وہ شخصیت جس کا میں دلدادہ ہوں اور جس سے میری بڑی امیدیں اور آرزوئیں وابستہ تھیں اور جو میری تمناؤں اور مرادوں کا مرجع تھی وہ محض ایک خیالی شخصیت ہے اور لبس۔

امام غائب سے میری اندر گھی محبت نے مجھے کبھی اس زاویہ سے سوچنے کا موقعہ نہیں دیا تھا لیکن محض بحث و تحقیق اور طلب و جستجو کی وجہ سے میں اس حقیقت سے آشنا ہو سکا کہ ان القاب و آداب سے جس شخصیت کو موسم کیا جا رہا ہے وہ محض ایک خیالی ہے۔

صاحب الزمان کے لقب نے مجھے ہلا کر رکھ دیا:

ان اہم مسائل میں سے جس نے میرے افکار و خیالات کو چھنچھوڑ کر رکھ دیا ہے ایک مسئلہ صاحب الزمان کا ہے جس کو علامہ نوری طبرسی نے اپنی کتاب النجم الثاقب میں احوال الامام

الْجَبَّةُ الْغَايَةُ کے عنوان کے تحت سے لکھا ہے۔

علامہ نوری طبری تعارف سے بے نیاز ہیں ان کی تعارف میں یہی بات کافی ہے کہ شیخ عباس قمی، شیخ آغا برزک طهرانی، شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء اور سید عبدالحسین شرف الدین الموسوی اور ان جیسے جید شیعہ علماء نے ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا ہے۔

علامہ نوری طبری نے صاحب الزمان کو ”خسر و مجنوس“ کے لقب سے بھی موسوم کیا ہے یہ امام صاحب کا سنتا لیسوال لقب ہے۔ ①

یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے امام کو خسر و مجنوس کی صفت سے متصرف کیا جائے؟ صاحب الزمان کا مجنوس سے کیا تعلق ہے؟

شیعہ کے صاحب الزمان آخری زمانے میں نمودار ہوں گے تاکہ آل بیت علیہ السلام سے انتقام لے سکیں خصوصاً حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے جنم کر بدله لیں حالانکہ یہ عمر رضی اللہ عنہ، ہی ہیں جن کی خلافت میں ایران فتح ہوا ان کے عہد میں ایران میں اسلام پوری آب و تاب کے ساتھ شاہانہ انداز میں داخل ہوا جس کی وجہ سے تاریخ میں پہلی مرتبہ وہاں اذان کی آواز بلند ہوئی اور باجماعت نماز کا جراء ہوا۔

علامہ مجلسی نے نوشجان بن بودمردان سے روایت کیا ہے کہ جب فرس کو قادریہ سے نکال دیا گیا اور یزدگرد بن شہریار کو رستم کے حالات اور عربوں کے اس پر حاوی ہونے کا پتہ چلا اور اس کو یقین ہو گیا کہ رستم اور فرس سارے کے سارے ہلاک ہو گئے ہیں کیونکہ ایک خبر دینے والا آیا اور اس نے قادریہ کی جنگ اور اس جنگ میں ۵۰۰۰۰ / مقتولین کے بارے میں یزدگرد بن شہریار کو خبر دی تو یزدگرد دوڑا دوڑا اپنے اہل خانہ کے پاس آیا اور ایوان کے دروازے پر کھڑا ہو کر حسرت بھرے انداز میں یہ کلمات کہے السلام علیک ایسا ایوان۔ ایوان سلطنت فی الحال میں تجھے چھوڑ کر جا رہا ہوں مگر میری اولاد میں سے ایک شخص دوبارہ آئے گا۔ طوی کا کہنا ہے کہ اس کے خروج کا زمانہ ابھی دور ہے۔

سلیمان الدیلمی کہتے ہیں: میں نے ابو عبد اللہ سے دریافت کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے ”
میں یا میری اولاد میں سے کوئی فرد واپس آئے گا“، ابو عبد اللہ نے جواب دیا: اس سے مراد تمہارے وہ امام ہیں جو القائم باامر اللہ کے لقب سے معروف ہوں گے اور میرے چھٹے بیٹے ہوں گے گویا وہ یزدگرد کے خون سے ہوں گے اور ان کو اس کی اولاد ہونے کا شرف حاصل ہوگا
اور وہ دن انتقام کا دن ہوگا۔ ①

یہ ہیں شیعہ کے صاحب الزمان بن یزدگرد جو اپنے آباء و اجداد فرکی ہزیمت کا ان اہل اسلام کے سے بدلہ لیں گے جنہوں نے فارس فتح کیا تھا کیونکہ روایت کی الفاظ سے یہی بات سمجھ آتی ہے اور خسرو مجوں کے لقب سے بظاہر یہی سمجھ آتا ہے۔

چنانچہ محمد بن ابراہیم النعمانی کی کتاب الغیبہ، ص: ۲۳۴ میں ابو عبد اللہ کا کہنا ہے کہ جب قائم باامر اللہ کا خروج ہو گا تو ان کے اور قریش عرب کے درمیان تلواریں نکل آئیں گی اور تلوار کے علاوہ ان کے پاس کوئی حل نہ ہوگا۔

عرب اور قریش کے بارہ میں یہ سب کینہ اور بعض کے لیے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر امام منتظر روا رکھیں گے۔

حتیٰ کہ روایات سے یہ بھی صراحة ہوتی ہے کہ قائم باامر اللہ عرب قبائل میں سے ستر قبیلوں کا خون و خرابہ کریں گے۔ ②

اس مختصر سے تجزیہ کے بعد ہماری آپ سے گزارش ہے کہ اس حقیقت کا جس کو میں نے ابھی بیان کیا اور ان حقائق کا جن کو میں پہلے بیان کر چکا ہوں، خسرو مجوں کے القاب سے ذرا تقابی موازنہ کریں اور اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ خسرو مجوں کے دادا نے مسلمانوں کو دھمکی دی ہے جنہوں نے اس کے باپ دادا کو فارس سے نکالا تھا اور ان کو تاخت و تاراج

① بحار الانوار (۱۶۳/۵۱) - (۱۶۴/۵۱)

② بحار الانوار: (۱) ۳۳۳/۵۲، هامش

کیا تھا اور یہ باور کیجئے کہ صاحب الزمان کی آمد قریب ہے جو مسلمانوں سے اپنے دادا کا انتقام لیں گے۔

شیعہ مذہب کے یہ وہ حقائق ہیں جو عقل و دانش سے بہرہ و رانسان کے سر پر بجلی گرانے کے متراود ہیں۔



ایک افسانے کی تصدیق

ہمیں بچپن میں ایک قصہ لوریاں دے دے کر سنایا گیا ہے جو ہمارے ذہن و دماغ میں جا گزیں ہو گیا ہے جس پر میں سادہ لوحی کی وجہ سے اس پر مہر تصدیق بھی ثبت کر دی ہے۔ انہوں نے مجھے بچپن ہی سے ایک قصہ پڑھا رکھا تھا جس کی میں نے سوچنے سمجھنے اور عقل کی کسوٹی پر کھنے کے بغیر ہی تصدیق کر دی کیونکہ میں اسی قدر کر سکتا تھا۔ قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ امام عسکری نے بشر بن سلیمان النخاس کو بلا بھیجا جب وہ آگئے تو انہوں نے بشر بن نحاس سے کہا کہ میں تم کو ایک ایسا راز بتانے جا رہا ہوں جس کی کسی کو کانوں کا ن خبر تک نہ پہنچی ہوگی چنانچہ انہوں نے ان کو رومی زبان میں ایک خط لکھ کر دیا جس پر اپنی مہر بھی ثبت فرمادی ان کو دو سو بیس دینار بھی دیئے اور ان سے کہا کہ یہ رقم لے کر بغداد چلے جاؤ وہاں تم کو غاس کے بازار میں پہنچنا ہے جب تم وہاں پہنچو گے تو تم کو ایک شخص ملے گا جس کا نام عمرو بن یزید النخاس ہو گا اس کے پاس بہت سی لوڈیاں ہوں گی ان میں سے ایک لوڈی ایسی ایسی ہو گی انہوں نے اس لوڈی کے اوصاف بیان کر کے امام بشر کو آگاہ کر دیا اور یہ بھی بتلا دیا کہ وہ لوگوں سے بات نہیں کرتی ہو گی بلکہ آدمیوں سے دور دور رہتی ہو گی اگر اس پر تمہاری نظر پڑ جائے تو اس کو میرا یہ خط دکھاد دینا۔

چنانچہ بشر بغداد پہنچے اور ان کو امام کی نصیحت کے مطابق اسی صورتحال سے سابقہ پڑا لہذا انہوں نے امام کی وصیت کے مطابق اس لوڈی کے ہاتھ میں امام عسکری کا خط دیدیا اس لوڈی نے جب اس خط کو پڑھا تو بے ساختہ رونا شروع کر دیا اور عمرو بن یزید سے کہا کہ اس خط والے کے ہاتھ مجھے فروخت کر دو پھر بشر نے جب اسے خرید لیا تو اس سے اس کے رونے کا

سبب دریافت کیا۔ لوئڈی نے جواب دیا کہ اس کا نام ملکیہ بنت دشو عابن قیصر ہے یعنی وہ شاہ روم کی بیٹی ہے اور اس کی ماں کا شجرہ نسب حضرت مسیح علیہ السلام کے وصی شمعون بن جمون بن صفا سے جا کر مل جاتا ہے۔

پھر اس باندی نے اپنے دادا قیصر شاہ روم کے بارے میں عجیب و غریب قصہ بیان کیا کہ قیصر نے اپنے بھتیجے کے ساتھ اس کی شادی کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر اس باندی نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی کہ آپ ﷺ حضرت مسیح علیہ السلام کی خدمت میں وصی کے لئے اس باندی کا پیغام نکاح لیکر حاضر ہوئے ہیں اس نے خواب میں حضرت فاطمہ الزہرا اور مریم بنت عمران علیہما السلام کو جنت کی ہزار حوروں کی معیت میں دیکھا اس نے امام عسکری کی بھی خواب میں زیارت کی اور انہوں نے اس کو خوشخبری دی کہ اس کے دادا فلاں فلاں تاریخ کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے لشکر روانہ کریں گے اس لئے تجوہ کو چاہئے کہ تو اس لشکر میں بطور خدم و حشم شامل ہو جا اگرچہ وہ بادل ناخواستہ ہی کیوں نہ ہو اس کے بعد وہ جنگ میں قید ہو گئی باندی کے ضمن میں بازار میں لا کر بیچی گئی واللہ اعلم بالصواب۔

یہ ام زمان کا قصہ مختصر ہے جو اپنے طرز بیان میں فلمی قصوں سے کچھ کم نہیں یہ قصہ عقیدہ اسلامیہ سے ذرہ برابر تعلق نہیں رکھتا عقیدہ مسلم کی بنیاد قرآن و سنت ہے اور قرآن تو اس لئے اتراء ہے کہ مسلمانوں کی عقولوں کو اس قسم کی خرافات اور اس طرح کے گھڑے ہوئے قصوں کی آلو دگی سے پاک و صاف کر دے اور ان کی عقل و دانش کو علم و معرفت کے نور سے مزین کر دے۔

جہاں تک نرگس نامی اس لوئڈی کے امید سے ہونے کا تعلق ہے کہ وہ کس طرح صاحب الزمان کے سلسلہ میں امید سے ہوں گی اس بارے میں آپ اس روایت کا مطالعہ کریں جس کو عباس قمی نے منتهی الامال میں اور ان کے علاوہ دوسرے مذہبی علماء نے روایت کیا ہے۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے: ہم اوصیاء لوگوں کا حمل پیٹ میں نہیں بلکہ پہلو میں ٹھہرتا ہے، ہم رحم مادر سے نہیں پیدا ہوتے بلکہ داہنی ران سے ہماری ولادت ہوتی ہے ہماری مائیں ہم کو اس وصف کے ساتھ جنا کرتی ہیں کیونکہ ہم اللہ کے نور سے حاصل ہیں ہمارے پاس نجاست اور آسودگی پھٹک نہیں سکتی۔

ہمارا شیعوں سے سوال ہے کہ انبیاء ﷺ کی ولادت تورحم مادر سے ہوتی ہے تمہارے اوصیاء اس بنیاد پر سے کیسے مبراہو سکتے ہیں آخر یہ کون سا اسلام ہے جو اس طرح کی بکواس کرنے کی اجازت فراہم کرتا ہے اور تم کو اس طرح کی ڈینگیں مارنے کی شہدیتا ہے اور تمہارے اس جھوٹ پر رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔

جہاں تک صاحب الزمان کی ولادت کا معاملہ ہے تو اس سلسلہ میں روایات اس طرح وارد ہوئی ہیں کہ جب ان کی ولادت ہوئی تو پہلے ایک چمک دار روشنی نمودار ہوئی جس نے افق کو نور سے بھر دیا اور آسمان تک روشنی ہی روشنی ہو گئی اور میں نے سفید سفید چڑیوں کو آسمان سے اترتے دیکھا جو امام صاحب کے سر اور چہرے کو اپنے بازوں سے پوچھتی تھیں آپ کے جسم کو صاف کرتی تھیں اور اڑ جاتی تھیں اس ماجرے کو دیکھ کر ابو محمد الحسن علیہ السلام زور سے چیخ پڑے اور اپنی پھوپھی کو پکار کر کہنے لگے پھوپھی جان یہ پرند مجھے پکڑ کر دے دیجئے۔ چنانچہ ان کی پھوپھی نے اسے پکڑ کر مجھے بھجوادیا، تو دیکھتا کیا ہوں کہ وہ مختون ہے اور اس کی نال کٹی ہوئی ہے اور غسل دیا ہوا صاف و شفاف ہے اور اس کے داہنے بازو پر لکھا ہوا ہے ”جاء الحق وز هق الباطل ان الباطل كان ز هوقا“^①

اور وہ شریعت جس کے بموجب صاحب الزمان حکومت کریں گے وہ شریعت اسلامیہ کے علاوہ کوئی اور شریعت ہوگی۔ ابن ابی یہ ائمہ اپنی کتاب ”الاعتقادات“ میں لکھتا ہے کہ ”جب مہدی کا ظہور ہوگا تو وہ سب سے پہلے شریعت اسلامیہ کا الغاء کریں گے“

میراث وغیرہ کے احکامات کا عدم قرار دیدیئے جائیں گے چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں لوگوں کی جسم سازی سے دو ہزار سال پہلے روحوں کو ایک دوسرے سے آشنا کروادیا دیا تھا۔ لہذا جب ہمارے امام قائم کا دور آئے گا تو وہی بھائی وارث قرار پائے گا جن کے درمیان عالم ارواح میں مواختات ہوتی تھی اور حقیقی بھائی جو کہ ایک ماں اور باپ کی اولاد ہوں گے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔^۱

صاحب الزمان ایسے نوجوانوں کو قتل کر دیں گے جن کی عمر ۲۰ سال ہو جائے اور وہ دین کی سمجھ بوجھ سے عاری ہوں گے اور ان کو تفقہ فی الدین حاصل نہ ہوگا۔^۲ اور صاحب الزمان آل داؤد کی شریعت کے مطابق حکومت کریں گے ان کو محمد اور آل محمد کی شریعت سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ شیعوں کی روایات میں یہ بھی صراحةً وارد ہوتی ہے کہ جب آل محمد بر سر اقتدار آئیں گے تو وہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی شریعت کے مطابق حکومت کریں گے اور ان کے لئے دلیل و جحت پیش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔^۳ ایک دوسری روایت میں ان الفاظ کے ساتھ بھی صراحةً ملتی ہے کہ آل محمد میں سے جب کوئی بر سر اقتدار آئے گا تو وہ آل داؤد علیہ السلام کی شریعت کی بنیاد پر حکومت کرے گا اور اسے کسی دلیل و جحت کی ضرورت نہ ہوگی۔^۴

ان تمام افکار مخالفہ اور عقائد باطلہ کا لب لباب یہ ہے کہ شیعہ حضرات مہدی علیہ السلام کے بارے میں لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ قرآن و سنت کی تحریکیم کو کا عدم قرار دے

^۱ الاعتقادات ص: ۸۳۔

^۲ اعلام الوری للطبرسی، ص: ۴۳۱۔ بحار الانوار: ۵۲/۱۵۲۔

^۳ اصول الكافی: ۱/۳۹۷۔

^۴ الارشاد للمفید، ص: ۴۱۳، و اعلام الوری للطبرسی، ص: ۴۳۳۔

کراس کی جگہ دوسری الہامی کتاب کی تحریک کا اجراء کریں گے جس کی طرف شیعہ عالم النعمانی کی ابو بصیر سے روایت شدہ یہ تصریح دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ نعمانی لکھتا ہے کہ ابو جعفر علیہ السلام نئی شریعت نئی کتاب، نئے اصول اور نئے قوانین لے کر بر سر اقتدار آئیں گے ① گویا میں صاحب الزمان کو رکن بیانی اور مقام ابراہیم کے درمیان بیعت کرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ ②

حتیٰ کہ امام مهدی کے تصرفات اور دست برد سے مقدسات اسلامیہ بھی نہیں نجح پائیں گے۔ جیسا کہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب الزمان ہے آئیں گے اور مسجد حرام کے توسعہ شدہ حصہ کو ڈھادیں گے اور اس کے اساسی حصہ کو باقی رکھیں گے، اسی طرح وہ مسجد نبوی کو اساسی حصہ پر استوار کریں گے اور اس کا توسعہ شدہ حصہ گردیں گے اور بیت اللہ کو اپنی بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اس کی تعمیر نو کریں گے۔ ③

* * *

① الغیة للنعمانی، ص: ۱۵۴، وبحار الانوار: ۵۲/۳۵۴۔

② الغیة للنعمانی، ص: ۲۸۲، وبحار الانوار: ۵۲/۱۳۵۔

③ الغیة للطوسی، ص: ۲۸۲، وبحار الانوار: ۵۲/۳۳۸۔

یاد رہے کہ شیعہ عقائد کے مطابق بیت اللہ کو اصل و اساس پر استوار کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ خانہ کعبہ، مکہ مکرمہ ہی میں ہوگا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیت اللہ کی جہت ہی تبدیل کر دیں گے اور جھرا سود کو اکھاڑ کر کر بلا میں لا چسپاں کریں گے (معاذ اللہ)

صاحب زمان غایب کیوں؟

صاحب الزماں کی شخصیت کے وجود کا اعتقاد رکھنے والے اس قسم کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ چند اسباب علل ہیں جو صاحب الزماں کے ظہور میں مانع ہیں جیسے ہی ان اسباب علل کا ازالہ ہوگا صاحب الزماں ظہور پذیر ہو جائیں گے۔

امام مہدی کے ظہور ہیں مانع علل و اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ صاحب الزماں کے اور ان کے وقت ظہور کے درمیان کوئی مانع نہیں ہے البتہ ان کو خوف اس بات کا ہے کہیں انہیں قتل نہ کر دیا جائے اسی وجہ سے وہ پردہ پوش ہیں کیونکہ اگر اس کے علاوہ کوئی اور علت ہوتی تو ان کے لئے پردہ پوش ہونے کا کوئی جواز نہ ہوتا پردہ پوشی کی حالت میں صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کر رہے ہیں کیونکہ انبیاء اور ائمہ علیهم السلام اللہ کی خاطر مشقتیں برداشت کرتے ہیں جس سے ان کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا ہے۔

حالانکہ صاحب الزماں کے آباء و اجداد کی سیرت و سوانح تمام لوگوں کے سامنے ظاہر اور عیاں ہیں وہ لوگوں کے درمیان اپنے مشن پر بحسن و خوبی گامزن ہے اور لوگوں کے ساتھ گھل مل کر زندگیاں گزاریں ہیں اور انہیں کسی شخص سے اس قسم کا خطرہ لاحق نہیں ہوا تو صاحب الزماں کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں ہے۔

جو لوگ صاحب الزماں کے وجود کا اعتقاد رکھتے ہیں ان سے بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں جس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دور کے ابتدائی مرحلہ میں اس خوف سے کہ کہیں آپ ﷺ کو قتل نہ کر دیا جائے روپوش رہا کرتے تھے اسی پر قیاس کرتے ہوئے انہوں نے صاحب الزماں کے روپوش ہونے کا جواز فراہم کیا ہے۔

ایک روایت کو مجلسی نے البحار: ۱۸ / ۱۷۶ پر حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکرمہ میں خوف و ہراس کے عالم میں پانچ سال تک روپوش رہے خوف کا عالم یہ تھا کہ آپ ﷺ باہر نہیں نکلتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام اور بی بی خدیجہ آپ ﷺ کے ساتھ تھیں پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ علی الاعلان انجام دینا شروع کر دیں اس طرح آپ ﷺ منظر عام پر آئے اور آپ ﷺ کی دعوت کا غلغله بلند ہوا۔

مجلسی نے اپنی کتاب البحار میں ۱۸ / ۱۷۷ پر حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وحی کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں ۱۳ سال کا عرصہ گزارا ہے ان سالوں میں سے تین سال آپ ﷺ نے مارے خوف و ہراس کے روپوش ہو کر گزارے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا کہ تم کو جس بات کا حکم دیا جا رہا ہے اسے تم علی الاعلان بیان کرو اس وقت دعوت و تبلیغ کا معاملہ حل کر سامنے آیا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی شیعی روایات ہیں جو ایک ہی معنی اور مفہوم سے عبارت ہیں، لہذا ہم نے اختصار کے مذکور انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔

ہمارا شیعوں سے کہنا یہ ہے کہ اس طرح کا قیاس جو تم نے نبی کریم ﷺ اور صاحب الزمان کے درمیان روا رکھا ہے قیاس مع الفارق کہلاتا ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے جس کی بہت سی وجوہات ہیں یہاں پر بغرض استفادہ ان میں سے چند کا مختصرًا تذکرہ کیا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت کی توفیق عطا فرمائے [آمین]۔

..... رسول اللہ ﷺ لوگوں کی نگاہوں سے مکمل طور پر روپوش نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کو مصلحتاً پوشیدہ طور پر انجام دینا شروع کر دیا تھا۔

..... اس محدود مدت میں آپ ﷺ کے ساتھ چند اشخاص اور بھی موجود تھے جن میں آپ کی بیوی حضرت خدیجہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے لیکن جن کو شیعہ حضرات

مہدی غائب کے نام سے موسوم کرتے ہیں ذرا ہمیں بتلایا جائے کہ ان کی مصاحبہ میں کون ہے۔ اگر وہ روپوش ہیں تو ان کی مرافقت میں کوئی نہ کوئی ہونا چاہئے کیونکہ ہمارے نبی ﷺ کی مصاحبہ میں تو لوگ موجود تھے، لہذا معلوم ہوا کہ تمہارا قیاس ہی بنیادی طور پر غلط ہے۔

..... تمہارا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ روپوش ہو گئے تھیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک محدود مدت تک سری طور پر دعوت کا کام کرتے رہے اس کے بعد آپ ﷺ ظاہر ہو کر سامنے آگئے لیکن آپ ﷺ نے جس مدت میں سری طور پر دعوت کا اسلوب اپنایا تو اس میں بھی حکمت الہ پنهان ہے۔ وہ یہ کہ اس مدت میں آپ ﷺ نے اپنے جانشیروں کی ایک ٹیم تیار کر لی جو تبلیغ و دعوت کے میدان میں آپ ﷺ کے مدد و معاون تھے لیکن جہاں تک شیعوں کے امام مہدی کا تعلق ہے تو وہ روپوش ہیں اور ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے نہ کوئی ان کا معاون ہے اور نہ کوئی ان کا تبع و مصاحب ہے اگرچہ شیعہ امامیہ اپنے آپ کو ان کا تبع اور پیروکار کہلاتے ہیں لیکن اس سلسلہ میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ شیعہ امامیہ ان کی پیروی کا اس وقت سے دم بھرتے چلے آئے ہیں جس وقت سے وہ روپوش ہوئے ہیں اور اس وقت ان کی تعداد کروڑوں میں ہے کیا اتنی بڑی تعداد ان کے تعاون اور ان کی مدد کے لئے کافی نہیں اس کے باوجود امام مہدی روپوش کیوں ہیں، نکل کر منظر عام پر کیوں نہیں آتے، حالات کا تقاضا یہ ہے وہ نکل کر آئیں اور امن و امان قائم کریں اور اتنی بڑی خلق خدا کے ساتھ منظم طور پر اپنے مشن کا اجراء کریں اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جانوں کے نذر انے پیش کریں اس لئے یہ بات یقین اور پورے اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ شیعوں کے نزدیک امام مہدی کی شخصیت محض خیالی ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ایک بار ٹیلی ویژن پر امام مہدی کے وجود، ان کی اصل حقیقت اور ان کے روپوں ہو جانے کے بارے میں ایک پروگرام دیکھا تھا جس میں ان حقائق کے بارے میں مباحثہ دکھایا گیا تھا۔ اس میں دو فریق تھے ایک تو امام مہدی کے وجود کا قائل تھا اور دوسرے فریق کا کہنا تھا کہ امام مہدی کا وجود ہی نہیں ہے مزے کی بات تو یہ ہے کہ دونوں فریق شیعہ برادری سے تعلق رکھنے والے تھے۔

جو فریق امام مہدی کے وجود کا قائل نہیں تھا اس نے زیر بحث مسئلہ پر انہمار خیال کرتے ہوئے یہ دلیل پیش کی کہ امام مہدی کے وجود کے بارے میں جو روایات اور آثار وارد ہوئے ہیں اور ان کے روپوں ہونے کے بارے میں جن اسباب علل کا سہارا لیا گیا ہے اگر بالفرض ان کو تسلیم کر لیا جائے تو ان کا لب لباب یہی نکلتا ہے کہ امام مہدی اس لئے روپوں ہو گئے ہیں کہ ان کو خوف تھا کہ عباسیوں کے ہاتھوں ان کا قتل نہ ہو جائے لیکن حیرت اور استجواب کی بات یہ ہے کہ ہم لوگ میڈیا کے دور میں قدم رنجاں ہو چکے ہیں اس کے باوجود امام مہدی ٹیلی ویژن کے اسکرین پر نظر کیوں نہیں آتے یا کم از کم تصویر اور آواز کے ساتھ ویدیو کیسٹ ہی بنوا کر ان لوگوں کے حوالے کر دیتے جو وقفہ و قفہ کے بعد اس بات کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ انہوں نے امام مہدی کو دیکھا ہے یا ان سے جا کر ملے ہیں تاکہ پورے عالم کے لئے امام مہدی کے وجود کا ثبوت فراہم ہو جاتا یا کم از کم لوگوں کو اس بات کا یقین ہو جاتا کہ امام مہدی موجود ہیں اور ان کے سامنے یہ بات واضح ہو کر عیاں ہو جاتی کہ ان کی شخصیت محض وہم و خیال نہیں ہے اور نہ ہی کوئی قصہ و کہانی ہے۔ تاکہ شیعوں کی روایات اور ان کے نصوص کی توثیق و تاکید ہو جاتی اور اس کے ثبوت کا جواز فراہم ہو جاتا بہت سی سیاسی خلاف ورزیاں کرنے والی شخصیات کا حال ہے جو کہ ملک چھوڑ کر فرار اختیار کر لیتے ہیں اور ملک سے باہر بیٹھ کر میڈیا کے ذریعہ حکام وقت سے ٹکر لیتے رہتے ہیں اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد اپنی ویدیو کیسٹ جاری کروادیا کرتے ہیں جس سے ان کی لیڈر شپ قائم و دائم رہتی ہے۔

محمد حسین فضل اللہ سے برتاو

جو شخص شیعوں کی حقیقت سے واقف اور ان کے تاریخی پس منظر سے باخبر ہو گا اسے اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہو گا کہ ان کے اندر ایک لمبے جمود اور تعطل کے بعد بیداری و آگھی نے انگڑائی لینا شروع کی ہے۔

مذہب شیعہ میں غلو پر نقد کرنے والی جرائمند شخصیتوں کے نام ابھر کر سامنے آئے ہیں جنہوں نے اپنے مذہب کی ان روایات کی چھان بین اور تحقیق و تدقیق کا کام شروع کر دیا ہے مجالس عزا و ماتم کے وقت مقررین کو جن کی ضرورت درپیش ہوتی ہے متعصب قسم کے شیعوں یا ان کے مشائخ کی طرف سے بغیر کسی تحقیق و تمحیص کے جن میں روزانہ اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے دراصل واعظین وہ لوگ ہیں جو روایات کو گھٹ گھٹ کر ائمہ کرام اور آل بیت ﷺ کی طرف منسوب کرنے کے عادی ہیں۔

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گز را ہے اس میدان میں آیت اللہ العظامی ابوالفضل البرقی اور احمد کسری، علامہ خوینی، ڈاکٹر موسی الموسوی، محمد الیاسری اور احمد الکاتب کے نام شہ سرخیوں میں لئے جاتے تھے اور آج ان کی جگہ آیت اللہ العظامی محمد حسین فضل اللہ نے لے لی ہے۔

سید فضل اللہ نے اس بات کا بخوبی ادراک کر لیا ہے کہ عقائد اور تاریخ کے بارے میں پیش کئے گئے بعض وہ مقالات جن کی ثقاہت کے حوالے سے ماضی میں انداز اختیار کیا کرتے تھے اور جن کی تاویلات میں اپنا وقت صرف کیا کرتے تھے اور جس کی دعوت و تبلیغ میں کوشش

❶ حسین فضل اللہ سے شیعوں کے نزدیک مرجع کی حیثیت رکھنے والے لبنانی عالم ہیں جن کے پوری دنیا میں بہت سے مقلدین ہیں جو ان کی اتباع اور پیروی کے قائل ہیں۔

رہا کرتے تھے آج ان کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ اس شخصیت کی طرف سے حقیقت کی نقاب کشانی ہے جس کو شیعوں کے نزدیک جید داعی اور ممتاز رہنما ہونے کا شرف حاصل ہے۔

چنانچہ سید فضل حضرت فاطمہ زین العینہ کے بارہ میں شیعہ کی طرف سے کی گئی دروغ گوئی کے متعلق بحث و تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ کہ یہ سب سراسر تمہت طرازی ہے جن روایات کے مطابق حضرت فاطمہ زین العینہ کو زد و کوب کیا گیا اور ان کے حمل کو ساقط کروادیا گیا۔ سید صاحب اس نتیجہ پر پہنچ ہیں کہ یہ سب سراسر تمہت طرازی ہے، نیز سید فضل اللہ کا یہ انکشاف ہے کہ اس قسم کے بیانات کا حقیقت سے کوئی سروکار نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت افواہ بازی سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں۔

اس حق گوئی کی وجہ سے سید فضل اللہ کو ممقابل کی طرف سے ایذا رسانی کی کوششیں کی گئیں لیکن انہوں نے ان کی طرف سے دی گئی ایذا و تکلیف کو برداشت بھی کیا بلکہ ان کی گمراہی اور کجر وی کے ثبوت کے لئے فتاویٰ بھی نکالے گئے اس سے بھی ایک قدم آگے ان کی تکفیر کا فتویٰ دے کر انہیں کفار کے زمرے میں شامل کر دیا گیا۔

سید فضل اللہ حضرت فاطمہ الزہرا زین العینہ پر ظلم و زیادتی کے قصہ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ذرا تم اس بارے میں فہم و ادراک سے کام لے کر سوچو کہ اگر کوئی شخص تمہارے پاس آئے اور تمہاری بیوی کی آبروریزی کرے اور اس کو مارنے کی کوشش کرے تو کیا تم اپنے گھر میں جھرے کے اندر بیٹھے تماشہ دیکھتے رہو گے اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہتے ہوئے چپ ہو جاؤ گے یا تم بھی اس شخص پر حملہ آور ہو جاؤ گے جو تمہاری بیوی کو مارنے یا اس پر حملہ کرنے کی غرض سے تمہارے گھر میں گھس آیا ہے۔

حضرت فاطمہ زین العینہ کے شوہر علی بن ابی طالب زین اللہ ہیں جن کی دلیری کا پوری دنیا پر سکھ بیٹھا ہوا تھا ایسا جوان نہ شخص لوگوں کو فاطمہ زہرا زین العینہ پر اس وحشیانہ طور با آسانی حملہ کے لئے

چھوڑ دے گا اور خود گھر میں دم دبا کر نعوذ باللہ بیٹھ رہے گا اور لا حoul ولا قوۃ الا بالله العلی العظیم، کہنے پر اکتفا کرے گا کیا تم میں سے کوئی شخص ایسی صورتحال میں یہ رویہ اپنا ناگوارا کرے گا، ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہ ہو گا جو ایسی صورتحال میں یہ بزدلانہ موقف اختیار کرے گا۔ ①

سید فضل اللہ فرماتے ہیں کہ فاطمہ زہرا فیض اللہ علیہا کیوں دروازہ کھو لے گیں..... ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور و فکر کرو کہ اگر تم گھر میں موجود ہو اور تمہاری بیوی بھی تمہارے ساتھ ہو اور کوئی شخص آ کر دروازہ کھٹکھٹائے، خاص طور سے اگر تم کو پتہ ہو کہ تمہاری گرفتاری کے لئے آرہے ہیں تو کیا تم اس موقع سے اپنی بیوی سے کہو گے کہ تم نکل کر دیکھو معاملہ کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بزدل ہیں اور ان کے پاس غیرت و حمیت کا فقدان ہے اور وہ اسلامی غیرت و حمیت سے عاری ہیں شیعوں کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو وصیت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی خلافت میں کوئی معرکہ سرنہیں کریں اور نہ اپنی بیوی کی طرف سے کسی قسم کی مدافعت کریں گے۔ ②

کتاب و سنت کے نصوص میں تذہب و تقلیر کے بعد اعتقادی میدان میں جو جرات مندانہ وضاحتیں سید حسین فضل اللہ سے وارد ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام کی صحت کے لئے امامت یا بندوں کے اعمال کی قبولیت شرط نہیں ہے یہ تو ایک شخصی یا انفرادی نظریہ ہے جو بعض مسلمانوں کے ذہن و دماغ پر چھایا ہوا ہے مسلمانوں کی غالب اکثریت اس نظریہ کی اثر پذیری کی قائل نہیں ہے اور جہاں تک امامت کا معاملہ ہے تو وہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے جس میں توثیق اور تضعیف دونوں کا امکان ہے۔

جن مسائل میں سید فضل اللہ درستی پر نظر آتے ہیں وہ علم غیب کا مسئلہ ہے عقیدہ غیب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَرَآئِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا
أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحَى إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي
الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴾ (الانعام: ٥٠)

”اے نبی ﷺ آپ فرمادیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں علم غیب کا حامل ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور اے نبی ﷺ آپ فرمادیجئے کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتا ہے کیا تم غوروں کی فکر نہیں کرتے۔“

آیت مذکورہ کی تفسیر میں سیدفضل اللہ رقم طراز ہیں کہ یہ آیت واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ علم غیب کے حامل نہیں تھے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی سے یہ کام لینا تھا کہ اللہ کے نبی ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر انسانوں کے دلوں میں پوشیدہ راز بیان کر کے ایک دوسرے کو غیب سے آگاہ کریں اور لوگوں کو مستقبل میں پیش آنے والے حادثات اور آئندہ رونما ہونے والے واقعات کے سلسلہ میں پیشین گوئی کریں مگر جیسا کہ بہت سے لوگ اس کو رسول ﷺ کی امتیازی شان تصور کرتے ہیں انہوں نے اپنے اس تصور کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی شخصیت کو نجومی یا کا ہن کے مرتبہ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ ① بڑے افسوس کے ساتھ ہمیں کہنا پڑ رہا ہے کہ لوگوں نے اس علمی پیشکش کو دھیان سے سنا تک نہیں اور نہ ہی اس میں تدبر و تفکر کی کوشش کی۔ اس بحث و تحقیق کے بعد سیدفضل اللہ جس نتیجہ پر پہنچے اس کو انہوں نے بڑی سنجیدگی و متنانت کے ساتھ پیش کیا ہے اور میانہ روی کے ساتھ شیعوں کی فاش غلطیوں کا جواب دیا ہے آپ پر شیعہ نگرانی اور کجر وی کے ازمات لگا کر خوب بدنام کرنے کی کوشش کی۔

توہہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَأَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ أَهْتَدُهُ﴾ ۵۰

(طہ: ۸۲)

” بلاشبہ میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں اور راہ راست پر بھی رہیں۔“

جس صورتحال سے آپ کو آگاہ کیا گیا ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے حقائق ہیں جنہیں ایک ایک کر کے ذکر کرنے کا یہ مقام نہیں ہے بلکہ اجمالاً، میں جن حقائق کو آپ کے سامنے رکھ سکتا تھا، رکھ دیا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہم پر ضروری ہے کہ ہم حق کی اتباع کریں۔ میں اس نتیجہ پر، اپنے نفس کے ساتھ کئی سال تک مجاہدہ اور کشمش میں بنتا ہونے کے بعد پہنچا ہوں۔

اس وقت میرا حال یہ ہے کہ میں کسی صورت میں بھی اپنے نفس کو اس بات پر قانع نہیں کر سکتا کہ میں اپنے آپ کو اثنا عشری شیعہ کہوں کیونکہ میں اس وقت اس پوزیشن پر کھڑا ہوں کہ مجھے گوارا نہیں ہے اور میرا ضمیر یہ کہنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ میں اثنا عشریہ ایمان کا حامل قرار پاؤں۔ کیونکہ اثنا عشری کسی اور وادی میں ہیں اور میں ایمان کے سایہ میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ کسی اور وادی میں ہوں۔

میں نے اسلام کو اس لیے قبول کیا ہے کیونکہ اسلام میں کالے اور گورے کی کوئی تفریق نہیں ہے اس کے اعتقادات کو ہر شخص اپنا کردارہ اسلام کے گھنے سائے میں پناہ لے سکتا

ہے۔ لہذا ہمارے لئے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو ہم حق کو قبول کر لیں یا باطل کے کارروال میں شامل ہو جائیں۔

میں نے تھوڑی دیر کے لئے توقف کیا، پھر میرے ذہن میں یہ بات چلتیاں لینے لگی کہ اگر میں اپنے اس عقیدہ سے کنارہ کش ہو کر، جس پر میری نشوونما ہوئی ہے اسلامی عقیدہ کو اختیار کر لوں، جس کی تائید میں دلائل و شواہد کی بھرمار ہے اور جس کو فطرت سلیمانیہ بھی قبول کرتی ہے تو میرا کیا بگڑ جائے گا؟

آخر کار میں نے اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کو پورے اشرح صدر کے ساتھ قبول کر لیا اور اس سودے میں ذرہ برابر بھی خسارہ نہیں اٹھایا بلکہ میں نفع مند ہو کر کامیاب ہو گیا۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے موالات اور قلبی تعلق پیدا کر لیا ہے اور آل بیت کا دامن بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا کیونکہ مجھے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ صحابہ کرام علیهم السلام اور آل بیت علیهم السلام کی حیثیت لازم و ملزم ہے گویا یہ لوگ ایک چنے کے دودیوں ہیں۔

اس فیصلہ میں، میں ہی منفرد نہ تھا بلکہ اس زمانے میں اور اس سے قبل کے، کتنے ہی لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس جادہ حق کو پوری قناعت کے ساتھ اختیار کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کی امید میں اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿وَإِنِّي لَغَفَارٌ لِمَنْ تَابَ وَأَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ” بلاشبہ میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں اور ایمان لا کیں اور نیک عمل کریں۔“ کو شعار بناتے ہوئے یہ چیزان کے ذہن و دماغ میں رچ بس گئی تھی انہوں نے اسی کلیہ کو اپنی زندگی کے لیے نصب العین بنالیا اور اسی کو بطور مشعل راہ اختیار کرتے ہوئے حق کی راہ پر گامزن ہو گئے یقیناً ان کی دین و دنیادونوں سنور گئے۔



صلاح کا موت سے خوف

صلاح کاظمی کے گھروالوں کو ان کی گرانی طبع نے حیرت و استجواب میں ڈال دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کی نوک زبان پر ہر وقت موت کا تذکرہ رہنے لگا تھا اور اس نے اس بات سے سمجھ لیا، کہ موت ان کے سر پر منڈ لارہی ہے اور وہ موت سے خائف ہیں۔

اس کا ان کی روزمرہ کی زندگی پر یہ اثر پڑا کہ ان کی آنکھوں سے نیند عنقا ہو گئی اور مارے خوف کے انہوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ ڈاکٹروں کو دکھلا یا گیا لیکن ان کی حالت کاراز، ان کی سمجھ سے باہر تھا اور وہ اس کے علاج و معالجہ سے عاجز آگئے اور مشائخ نے ان کے روحانی علاج سے اپنی بے بسی کا اظہار شروع کر دیا اور آخر کار روحانی معالج اس نتیجہ پر پہنچ کے جنات ان کو ایذا رسانی کے درپے ہیں اور یہ آسیب کاشکار ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جن مشائخ کو وہ علاج و معالجہ کا ماہر تصور کرتے تھے ان کی تلاش میں انہوں نے بڑا ہی روپیہ پیسہ خرچ کیا اور اس میں انہوں نے بڑا ہی خسارہ اٹھایا مگر اس کے باوجود انہیں کوئی فائدہ محسوس ہوتا ہوا دکھائی نہیں دیا۔ شیخ صلاح کا کہنا ہے کہ ان معالجین کا طریقہ بڑا ہی عجیب و غریب اور غیر طبیعی تھا کبھی تو گھونکھوں کے ذریعہ علاج کرتے تھے تو کبھی وہ طلامسم اور نقش وزگار اور شعبدہ بازی کے ذریعہ علاج و معالجہ کرتے تھے۔ میں نے ان کے علاج و معالجہ میں قرآن کریم کا کوئی کردار نہیں دیکھا اور نہ انہوں نے قرآن کریم کو اپنے علاج و معالجہ کے لئے استعمال کیا بس ان کا دارو مدار شعبدہ بازی اور طلامسم شیطانیہ پر تھا اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی چیز نہ تھی۔

اس کے بعد شیعہ برادری میں سے ہی ایک مخلص شخص نے یہ رائے دی کہ میں اہل سنت والجماعت کے مشائخ میں سے کسی ماہر معالج کے پاس قرآن کریم کے ذریعہ علاج کروانے کی

غرض سے جاؤں کیونکہ شیعوں کے نزدیک یہ اعتقاد عام تھا کہ شیطان کو شیطان ہی نکال باہر کر سکتا ہے۔

چنانچہ شیخ صلاح اپنے گھر سے قریب واقع مسجد امام احمد بن حنبل حَمْلَةُ اللَّهِ تشریف لے گئے وہاں امام مسجد نے ان کو قرآن کریم کی آیات پڑھ دم کیا۔ شیخ صلاح نے جب آیات قرآنیہ کو سناتا نہیں اطمینان و سکون محسوس ہوا۔

اس کے بعد جب شیخ، قرآن کریم کی تلاوت کر کے دم کر چکے تو وہ پرسکون نظر آنے لگے۔ اس کے بعد نہ تو انہوں نے کوئی واویلا کیا اور نہ زبان ہلانے کی کوشش کی وہ سجدہ میں ہی بیٹھ رہے اور وہاں سے نکلنے کی ذرہ برابر بھی کوشش نہیں کی کیونکہ مسجد کی فضائیں انہیں راحت و سکون محسوس ہو رہا تھا اور اس کا روحانی ماحول ان کو راس آچکا تھا چنانچہ جب اذان کا وقت ہو گیا اور موذن اذان دے چکے تو نمازی آنا شروع ہو گئے۔ بھائی صلاح نے نمازوں کی آمد کا مشاہدہ کیا اور ان کو پورے ذوق و شوق سے مسجد کے اندر آتے ہوئے دیکھا کہ ایک سیل روائی ہے جو کشاں کشاں مسجد کی طرف روای دواں ہے یہاں تک کہ اقامت ہو گئی پھر کیا تھا بھائی صلاح کے اندر بھی ایمانی داعیہ زور مارنے لگا اور وہ بھی لوگوں کے ساتھ مسجد میں داخل ہو گئے اور ان کے ہمراہ باجماعت نماز ادا کی۔ دوسرے دن نماز کے وقت انہوں نے پھر مسجد میں حاضری دی جس کی وجہ سے امام صاحب کو تعجب ہوا کہ صلاح صاحب کیسے مسجد میں دکھائی دے رہے ہیں۔ چنانچہ امام صاحب سے رہا نہیں گیا اور انہوں نے صلاح کا ظمی صاحب سے ان کی خیریت دریافت کر ہی لی صلاح صاحب نے جواب دیا الحمد للہ میرا حال پہلے سے اب بہت اچھا ہے۔

بھائی صلاح نے اپنی آنکھوں سے قرآن کریم کے ساتھ جب اہل سنت والجماعت کے رغبت و ذوق کا قریب سے مشاہدہ کیا اور اس کے ساتھ اللہ کی حرمت کی تعظیم کا اپنے دیدہ بینا سے نظارہ کر لیا اور نماز باجماعت، ان کے اوقات کے ساتھ ادا کرنے کے اہتمام کو حسن

و خوبی دیکھ لیا اور اس بات کو بخوبی جان لیا کہ ان کے منبروں پر خطبے، اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی حمد و ثناء سے عبارت ہوتے ہیں برخلاف شیعوں کے خطبوں کے، جو کہ اہل بیت کی تعظیم و مدح سرائی سے عبارت ہوتے ہیں اور کتاب اللہ کی جگہ ائمہ کرام کے کلام سے مزین ہوتے ہیں۔

بھائی صلاح نے مجھے بتالایا کہ انہوں نے مسجد میں اپنی بساط کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کی غرض سے بیٹھنا شروع کر دیا ہے اور ان کا قلب و دماغ کتاب اللہ کی تلاوت اور اس میں تدبر اور تفکر کا عادی بن گیا ہے اور انہوں نے اس حقیقت کا بھی انکشاف کیا کہ دراصل اس ایمانی پہلو کو ان کے اندر راسخ کرنے کا سہرا امام مسجد کے سرجاتا ہے جس کی کیفیت سے بھی بھائی صلاح نے لوگوں کو آگاہ کیا۔

اس کے بعد بھائی صلاح برابر مسجد آنے جانے کے عادی بن گئے اور انہوں نے مسجد کی حاضری کو اپنا مشغله بنا لیا حتیٰ کہ ان کے جانے پہچاننے والے شیعہ حضرات کو اس بات کی خبر لگ گئی، لہذا انہوں نے جب انہیں پابندی کے ساتھ مسجد آتے جاتے دیکھا تو ان کو مسجد آنے جانے سے روکنے کی کوشش کی اور آپ کے دل کو مسجد کی طرف سے دور کرنے کی مہم چلائی۔

لیکن بھائی صلاح کو مسجد کی روحانی فضا کے سہانے جھونکوں نے اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ اس لئے آپ نے ان کی باتیں سنی ان سنبھال دیں۔ ان کا اپنے مخالفین سے یہی جواب ہوا کرتا تھا کہ مجھے اس سلسلہ میں انتراح صدر ہو چکا ہے، لہذا میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ ہی نماز ادا کرنا پسند کرتا ہوں خصوصاً امام کی جھری نمازوں میں قراؤہ قرآن سننا مجھے بے حد مرغوب ہے۔

اس کے بعد شیعوں کے بعض مجاور نما مشائخ کو بلوا بھیجاتا کہ ان کو عقیدہ اہل سنت والجماعت سے مرتد ہونے کے لئے مجبور کیا جاسکے اور ان کے خیال میں یہ جس غلطی پر گامزن ہیں، اس سے روگردانی کے لئے انہیں آمادہ کیا جاسکے حتیٰ کہ بعض مسائل کی شرح کرتے وقت ان کی مجاوروں سے جھڑپ بھی ہو گئی۔ مگر بجائے سلبخنے کے معاملہ پیچیدہ ہوتا چلا گیا۔ اب کیا تھا بھائی

صلاح نے مجاوروں کے سامنے شیعوں میں تحریف قرآن کا مسئلہ چھپر دیا۔ قرآن کریم اور علوم قرآن کے ساتھ شیعوں کے عدم اهتمام کا سوال اٹھادیا ① خود شیعوں کے مصادر و مراجع سے بھائی صلاح نے یہ بات ثابت کر دی کہ شیعہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تحریف قرآن کا مورد الزام ٹھہراتے ہیں ② بالآخر ان کرایہ کے مجاوروں سے جواب دیتے نہیں بنا اور ان کے

① علی خامنائی نے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن سے پہلو تھی اور اس سے کنارہ کشی جو کہ ہماری مذہبی درسگاہوں میں عام ہو چکی ہے اور ہمارے قرآن سے غیر مانوس ہونے نے موجودہ زمانے سے لے کر آنے والے زمانے تک بڑی مشکلات کی شجر کاری کر دی ہے قرآن کریم سے دوری نے ہماء افکار و خیالات کو محدود کر کے رکھ دیا ہے جس کی وجہ سے ہمارے اندر تنگ نظری اور مردہ دلی پیدا ہو چکی ہے۔

ایک دوسری جگہ علی خامنائی اپنا اظہار خیال کرتے ہیں کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم تعلیم کے ابتدائی مرحلہ سے لیکر اجتہاد کی ڈگری کے حصول تک، قرآن کی طرف رجوع کئے بغیر اپنی دینی تعلیم جاری رکھ سکتے ہیں۔ تدریس کے اس معنے میں ہم ایک مرتبہ بھی قرآن کھول کر نہیں دیکھتے آخر قرآن کریم سے اتنی دوری کیوں ہے کیونکہ ہمارا نصاب تعلیم تعلیمات قرآنی سے عاری ہے جس کو تعلیمات قرآنی سے کوئی سروکار نہیں۔

نہیں مجہد کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص حوزہ علمیہ میں بلند مقام کا خواہاں ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ تفسیر قرآن سے پہلو تھی اختیار کرے تاکہ اس کو جاہل نہ کہا جائے یا اس کا علم جہل کے پردہ خفا میں نہ چلا جائے کیونکہ ان کے نزدیک تفسیر قرآن کے عالم کو جس کے درس تفسیر سے خلق خدا کو فیض پہنچ جاہل گردانا جاتا ہے اور علمی اعتبار سے ان کے نزدیک اس شخص کا کوئی وزن نہیں ہوتا، لہذا شیعہ حضرات مذکورہ تعلیمات کی روشنی میں فن تفسیر کے تعلیم و تعلم سے پہلو تھی میں مجبور ہیں، کیا یہ کسی اندوہناک المیہ سے کم ہے۔ الحوزة العلمیہ فی فکر الامام الخامنئی، ص: ۱۰۱ - ۱۰۰.

محمد باقر مجلسی نے اپنی کتاب مرآۃ العقول میں (۵۲۵/۱۲) پر اس کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ (ان القرآن جاء به جبرائیل الى محمد ﷺ سبعة عشر الف آیة) یہ قرآن کریم محمد ﷺ کے پاس حضرت جبریل ﷺ جس کو لے کر آئے ہیں۔ سترہ ہزار آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد اس خبر کی انہوں نے توثیق کی ہے اور بعض نسخوں میں انہوں نے ہارون بن سالم کے بجائے اس روایت کو ہاشم بن ہارون کی طرف منسوب کر کے روایت کیا ہے اور اس کے بعد اس پر تعلیق چڑھاتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بات کسی پر ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ یہ روایت اور اس کے علاوہ بہت سی صحیح اور صریح روایات قرآن کے ناقص ہونے اور اس میں رد و بدل کے بارے میں موجود ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس سے بھی اہم تصریحات موجود ہیں مزید تفصیلات کے لئے الشیعہ و تحریف القرآن (محمد السیف، یا آراء حول القرآن لآلہ الفانی الاصفہانی کا مطالعہ کریں۔ ان دونوں کتابوں میں اس مسئلہ کے بارے میں کافی وشافی بحث موجود ہے۔ اس سے ان شاء اللہ تشقی دور ہو جائے گی۔

اس سوال کا جواب دینے میں ان کو جان کے لالے پڑ گئے۔ اب ان کے پاس راہ فرار اختیار کرنے کے علاوہ اور کوئی صورت نہ تھی یا ان سوالوں کا ڈھینٹ بن کر بغیر کسی دلیل و جھٹ کے انکار کرنے کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور چارہ کا رہنا تھا۔

بھائی صلاح کاظمی کے اہل خانہ آپ کے عقیدہ اہل سنت والجماعت قبول کرنے کی خبر سن کر ہکا بکارہ گئے۔ آپ کے خاندان والے آپ کے اس اقدام پر بڑے چیزوں بجیں ہوئے، آپ کے ساتھیوں اور دوستوں پر آپ کی یہ حرکت بڑی ناگوارگز ریحتی کہ تمام کے تمام لوگ آپ سے خفا اور ناراض ہو گئے لیکن بھائی صلاح کاظمی نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو لوگوں کی رضا پر ترجیح دینے کو بہتر اور افضل سمجھا۔ جس کی روشنی میں بھائی صلاح کاظمی ہدایت واستقامت کی دولت سے سرشار اور خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں ﴿ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُوْتِيهُ مَنْ يَشَاءُ﴾ ”یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے عطا فرماتا ہے۔“

آج ابو عبد الرحمن صلاح کا شمار اہل علم میں ہوتا ہے آپ حقیقت میں علوم و معرفت کے خوشہ چینیوں میں سے ایک ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے آپ کو علم و معرفت کی دولت سے مالا مال کر دے اور آپ کو سر بلندی عطا فرمائے اور عز و شرف کے بلند مرتبہ پر فائز فرمائے۔



اور کا یا پلٹ گئی

بھرین کے دارالسلطنت، منامہ منتقل ہونے سے پہلے کی بات ہے کہ ”جد حفص“، کے علاقہ میں ایک شخص فروٹ اور سبزی وغیرہ فروخت کرنے کا کام کرتا تھا یہ مذہباً شیعہ تھا، لیکن اہل سنت والجماعت کے تین اشخاص سے اس کی راہ و رسم تھی۔

ایک دفعہ شیعہ سبزی فروٹ اور اس کے سُنی دوستوں کے درمیان شیعہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت طرازی کے بارے میں بحث چھڑ گئی۔ اس سبزی فروٹ کا اس مسئلہ میں صفائی پیش کرنا مشکل ہو گیا اور اس کو بر ملا اعتراف کرنا پڑا۔ واقعی سچ ہے کہ والفضل ما شهدت به الاعداء۔ چنانچہ اس سبزی فروٹ نے دلوک الفاظ میں اس بات کی صراحت کی کہ ہم شیعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بعض وکیلہ رکھتے ہیں اور ان سے کراہت و نفرت کا مظاہرہ کرتے اور ان کو برا بھلا کہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان پر لعن ملامت بھی کرتے ہیں اور ہمارے عقیدہ کے اعتبار سے وہ ناصیبیہ ہیں ① ہم شیعوں کو اس بات کا پختہ یقین ہے کہ نعوذ باللہ وہ جہنمی ہیں۔ اس کے دوستوں میں سے ایک دوست نے کہا کیا تمہارے کان اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے آشنا نہیں ہیں۔

﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزُواجُهُ أَمْهُتُهُمْ﴾ (الاحزاب: ۶)

”نبی مومنوں پر خود ان سے زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔“

دوست نے اس آیت کی تفسیر اور شرح کر کے ان کے سامنے حقیقت کو واضح کیا وہ سبزی

① ابن رجب البری اپنی کتاب ”مشارق انوار الیقین“ ص: ۸۶ پر رقمطر از ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چالیس دینار خش کاری کے ذریعہ جمع کئے تھے۔ العیاذ باللہ

فروش اس آیت کے معانی و مفہوم سن کر حیرت زدہ رہ گیا اور اپنے دوست سے سوال کر بیٹھا کہ کیا یہ آیت قرآن کریم میں موجود ہے۔ میں تو پہلی مرتبہ اس آیت کو سن رہا ہوں اس کے دوستوں نے قرآن کریم کی ورق گردانی کر کے اس آیت کو نکالا اور اسے اس آیت سے مطلع کرایا۔ اس وقت ان کے سبزی فروش شیعہ دوست نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اب اسے پورے طور پر اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میری مائیں ہیں۔

اس نے کہا کہ ہم کلام الہی کو کسی صورت میں بھی کلام انسانی پر اعتماد کرتے ہوئے جھٹلا نہیں سکتے۔ اس کے سامنے مزید اطمینان کے لیے یہ آیات بھی پیش کی گئیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِلَّٰٰزُ وَاجْلَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرْدُنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَ زِينَتَهَا فَتَعَالَى إِنَّ أُمَّتِكُنَّ وَ أُسَرَّ حُكْمَ سَرَاحًا جَوَيْلًا ۵ وَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرْدُنَ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ وَ الَّذِارَ الْأُخْرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعْدَ لِلْمُحْسِنِينَ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۲۸، ۲۹)

”اے نبی ﷺ آپ اپنی بیویوں سے فرمادیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت چاہتی ہو تو آؤ تمہیں کچھ دے دلا کر اچھائی کے ساتھ رخصت کر دو۔ اور اگر تمہاری مراد اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر ہے تو یقین کرو تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا جرچھوڑ رکھا ہے۔“

اس بات پر اہل سنت والجماعت اور شیعہ کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ ﷺ کے نکاح میں ۹ بیویاں موجود تھیں۔ ان میں سے کسی کو بھی آپ ﷺ نے طلاق نہیں دی تھی۔ مذکورہ دونوں آیات میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر آپ ﷺ کی بیویاں دنیاوی زیب وزینت اور اس کی چمک دمک کی خواہاں ہیں تو آپ ﷺ ان کو بے چوں و چرا طلاق دیدیں اور اگر وہ اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو

دنیا کی آسائشات پر ترجیح دیتی ہیں تو آپ ﷺ ان کو اپنی زوجیت میں باقی رکھیں۔ کیا کوئی کافر یا منافق دار آخوت کو دنیا کی زیب وزینت پر ترجیح دے گا۔ یہ علمندوں سے جواب طلبی ہے اب ان کی صواب بد پر ہے وہ جو مناسب سمجھیں، جواب دیں۔

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگرام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے دل میں نعوذ باللہ نفاق چھپائے ہوئے تھیں تو اللہ تعالیٰ جو کہ عالم الغیب ہے کیا اس سے بھی یہ بات مخفی رہ گئی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دل میں نفاق رکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل میں پوشیدہ راز پر مطلع نہیں ہو پایا اور ان تمام لوگوں کے دلوں میں پوشیدہ راز، اس عالم غیب کے احاطہ علم میں نہ آ سکے۔ اگر ایسا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس راز سے مطلع کیوں نہیں فرمایا۔ نبی کریم ﷺ اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راضی تھے اور وہ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں اور ام المؤمنین کی حیثیت سے حکم صادر فرمایا کرتی تھیں۔

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ صیرہ و کبیرہ گناہوں سے معصوم و مبراء ہیں تو کیا شیعہ حضرات ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی شادی کو آپ ﷺ کی بھول چوک گردانتے ہیں۔

سبزی فروش شیعہ کا کہنا ہے کہ اس وقت میں نے اپنے گریبان میں اپنے نفس سے پوچھا میں کس بنیاد پر ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے کی جرأت کر سکتا ہوں وہ تو میری ماں ہیں اور ہر مومن کی ماں ہیں۔ کیا کوئی شخص اپنی ماں کو گالی دینے کی جرأت کر سکتا ہے۔

اہذا شخص مذکور تلاش حق کی جستجو میں بعض شیعی علماء کے پاس گیا اور ان سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا جس میں ازواج مطہرات کو امهات المؤمنین کے پاکیزہ خطاب سے نوازا گیا ہے تو ان کے علماء کرام میں سے بعض نے جواب دینے میں پس و پیش سے کام لے کر بات کو ٹال دیا اور بعض نے اس بات کا اعتراف کیا کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج

مطہرات کو امہات المؤمنین کے بلند و بالا مرتبہ پرفائز کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے امہات المؤمن کی تزکیہ میں آیات نازل ہوئی ہیں۔

چنانچہ جب حج کا موسم آیا تو اس سبزی فروش نے بھی حج کرنے کی غرض سے رخت سفر باندھا اور وہاں اللہ تعالیٰ نے قبول حق کے لئے اس کے دل کو کھول دیا۔ پھر کیا تھا حج سے سنی المسک بن کر واپس ہوا۔ اس کی واپسی پر اس کے سنی المسک ہونے کی خبر پورے بھریں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور پورے ملک میں اس کی عظیم الشان شہرت ہوئی۔ یہاں تک کہ سڑکوں پر اس کے چرچے ہونے لگے اور یہ بات زباں زد خاص و عام ہو گئی کہ فلاں شخص حج کرنے گیا تو شیعہ تھا اور حج سے واپس آیا تو سنی بن کر آیا۔

(والحمد لله على ذلك)



تصور امانت میں تاریخ کی فتح

اگر کوئی شخص شیعوں کی تاریخ کا غائزہ مطالعہ کرے اور ان کے تاریخی اثاثہ کی چھان بین کرے تو اس کو اس بات کا بخوبی پتہ چل جائے گا کہ مسئلہ امامت جس کے پیچھے آج کل شیعہ حضرات ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں اور اس پر جیتنے مرنے کے لئے تیار ہیں یہ وہی مسئلہ ہے جو ان کے نزدیک موالات و معادات کی بنیاد ہے۔ گویا کہ دشمنی و دوستی کو پر کھنے کی کسوٹی شیعوں کے نزدیک مسئلہ امامت ہی ہے لیکن ہم یہاں پر اس حقیقت کا بھی انکشاف کر دیں کہ مسئلہ امامت شیعوں کے نزدیک غیر واضح اور غیر مسلمه حقیقت ہے جس کے خدوخال خود شیعوں کے نزدیک ناقص ہیں اس کی حقیقت امام حسن عسکری کی وفات تک پرده میں رہی۔ اس کے بعد شیعہ حضرات افرات فری کا شکار ہو کر بہت سے فرقوں میں منقسم ہو گئے ان متعدد فرق میں سے ایک اہم فرقہ، فرقہ اثناعشریہ اور فرقہ اسماعیلیہ بھی ہے یہی وہ فرقہ ہے جس نے اپنے عقائد کی ندرت کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی ہے۔

اگر تاریخ کا مشاہدہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جب امویوں اور عباسیوں کے خلاف انقلاب برپا کرنے اور لوگوں کو خلافت کا حقدار باور کرانے کا معاملہ گرم تھا۔ اس وقت ان فرقوں کا ظہور ہوا۔ بالفاظ دیگر یہی وہ فکر ہے جو اس وقت کا مرکزی مسئلہ تھی جو لوگوں کے درمیان وقت کی پکار کے طور پر گردش کر رہی تھی۔ اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہی وہ محور تھا جس کے گرد شیعوں کے تمام فرقے چکی کے پاٹ کی طرح اس زمانے میں گردش کر رہے تھے۔ اس سلسلہ میں ائمہ اثناعشر کے اسماء کی فہرست گنو انے اور ان کے ناموں کے وضاحت کی ضرورت نہیں کیونکہ اس دور میں ائمہ اثناعشرہ کے ناموں کی اس صفحہ ہستی

پر کوئی حد بندی نہیں تھی۔

الہذا عمومی طور پر شیعہ حضرات اس دور میں انہمہ اہل بیت کے درمیان کسی فرق کے روادار نہ تھے اور نہ ان کے ذہن میں اس بارے میں کوئی فرق تھا جس کی بنیاد پر وہ ایک کو دوسرے سے ممیز کر سکیں۔ اسی لئے اس وقت کوئی امام اگر کوئی تحریک چلاتا تھا یا کسی قسم کا انقلاب برپا کرنے کی مہم چھیڑتا تھا تو وہ بھی اس کی تحریک کی موافقت میں اس میں شامل ہو جاتے تھے جیسا کہ زید بن علی رضی اللہ عنہ نفس زکیہ اور ان کے علاوہ دوسرے انہمہ کی تحریکوں میں معاملہ درپیش ہوا۔

اگر ہم شہادت کے بعد کے دور کا خاص طور پر باریک بینی سے تاریخی مطالعہ کریں تو ہمیں اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہ جوانشا عشریہ کے نزدیک چوتھے خلیفہ ہیں، نے شیعی سیاست کے میدان سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور انہمہ اہل بیت علیہ السلام کے لئے شیعوں کی قیادت کرنے کی غرض سے میدان سیاست خالی کر دیا تھا۔ ایسا اقدام انہوں نے روزمرہ کی مشکلات اور انقلابات سے تنگ آ کر کیا تھا اور انہمہ اہل بیت کو ان کی قیادت سونپ دی تھی۔

اس کے بعد وہ زہد و روع اور عبادت و ریاضت میں ایسے مشغول ہوئے کہ عابدوں اور زادہوں کے امام کہلانے لگے۔ مفید اور اربی رقم طراز ہیں：“علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔”^۱

اس متقی اور پرہیزگار امام سے جو چیزیں منقول ہیں ان میں پند و نصائح، مواعظ و عبر، دعاء و مناجات اور وہ بعض احکام شرعیہ ہیں جو بطور فتویٰ علماء اور دعاۃ کے مابین رائج ہیں۔

شیعوں کی تاریخ میں امامت کی نشاندہی کے سلسلہ میں یہی وہ خلا ہے جس نے علماء شیعہ اثناعشریہ کو امامت کے اثبات کی طرف متوجہ کیا چنانچہ انہوں نے اس امام زادہ کے مجوزات اور

ان کی مدح و ثناء میں چند قصے کہانیاں گھر کران کی امامت کی نشاندہی کی کوشش شروع کر دی اور اپنے تیس اس تاریخی نقص کو پر کرنے کی بھرپور تگ و دو کی اگر حقیقت میں اس امام کی سیرت کا تاریخی جائزہ لیا جائے تو ہمیں اس وقت کے شیعہ امام کے بارے میں حالات کچھ اور ہی نظر آتے ہیں۔ جس سے پتہ یہ چلتا ہے کہ امام مذکور کو اس زمانے کے شیعہ احترام و اجلال کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کا اعزاز و اکرام کرتے تھے اور ان کے علم و فضل اور ان کی قدر و منزلت کا اعتراف بھی کرتے تھے، ان کو اس مرتبہ تک رسائی ان کے سیاسی فرد ہونے یا امام وقت کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کا زہد و درع اور تقویٰ و پرہیز گاری اس کا سبب تھا۔ ①

زید بن علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لائے تو ان کے ساتھ جو لوگ تھے وہ والی قضیہ کے رونما ہونے کی وجہ سے حیرت و استجواب میں پڑ گئے۔ یہ قضیہ ان لوگوں کی طرف سے اٹھایا گیا تھا جو امام مذکور کے والد محترم علی بن حسین بن زین العابدین رضی اللہ عنہ کی امامت کا دم بھرتے تھے، لہذا اس مسئلہ پر ایک مناظرہ ہوا جس پر صاحب کتاب الکافی رقمطر از ہیں:

”امام زید بن علی رضی اللہ عنہ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے ابو جعفر میں اپنے والد حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ دستخوان پر بیٹھا کرتا تھا اور میرے بابا مجھ کو بڑا ٹکڑا توڑ کر لقمہ بنا کر کھلایا کرتے تھے اور ازراہ شفقت میرے لئے پھونک پھونک کر گرم لقموں کو ٹھنڈا کیا کرتے تھے ان کو دنیا میں

② یہاں اس بات کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسان بڑی آسانی کے ساتھ، اس شخص کے لئے جس سے وہ محبت کرتا ہے قصے کہانیاں گڑھ لیتا ہے، مثال کے طور پر فرقہ اسماعیلیہ کو ہی لے لیجئے انہوں نے امام اسماعیل بن جعفر صادق کی امامت کو ثابت کرنے کے لئے قصے کہانیوں کا طو مار لگادیا ہے اسی طرح فرقہ رفاعیہ نے اپنے امام رفاعی کے بارے میں قصے کہانیاں گھر گھر کران کے مجرمات اور کرامات کا انبار لگادیا ہے۔ اسی طرح فرقہ تیجانیہ والوں نے بھی کیا ہے مقصد یہ ہے کہ قصے کہانیاں گھر لینا تو بڑا ہی آسان ہے مگر حقیقت پیانی بڑی مشکل بات ہے۔

میرا اتنا خیال تھا مگر انہیں جہنم کی آگ میں مجھ پر حرم یا ترس نہیں آتا تھا، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تم کو دین کے بارے میں خبریں بھم پہنچائیں اور مجھے ان خبروں سے نا آشنا رکھا مومن الطاق نے ان کو یہ کہہ کر جواب دیا کہ میں قربان جاؤں انہوں نے جہنم کی آگ سے آپ پر حرم کھا کر اس بات کی آپ کو خبر نہیں دی۔

گویا کہ انہوں نے از راہ شفقت آپ کے لئے ایسا کیا کیونکہ ان کو خدشہ تھا کہ کہیں آپ ان کی بات کو قبول نہ کریں اور حکم عدوی کی وجہ سے جہنم کے مستحق قرار پا جائیں۔ اس لئے اس حقیقت سے صرف مجھ کو آگاہ کرنے میں انہوں نے اکتفاء کیا۔ اگر میں نے ان کے حکم پر عمل درآمد کیا تو گویا کہ میں نجات سے ہمکنار ہو گیا اور اگر اس کو قبول کرنے میں کاملاً سے کام لیا یا امام صاحب کے فرمان کی خلاف ورزی کی تو ہمارے امام محترم کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ میں جہنم رسید ہوں یا نہ ہوں انہوں نے آپ سے اس حقیقت کو چھپایا ہے جس طرح یعقوب عليه السلام نے یوسف علیہ السلام کے خواب کا کتمان کیا تھا۔^۱

تصور کیجئے کہ امام صاحب کے صاحبزادے اپنے والد کی امامت کی خبر نہیں رکھتے اور نہ ان کو اپنے زمانے میں اپنے والد بزرگوار کے منصب امامت پر فائز ہونے کی خبر مل سکی اور نہ ہی یہ اہم خبران کے گوش گزار ہو سکی مگر مومن الطاق جیسے اہل کوفہ کی ایک جماعت ایسے مخلص رازدار کی شکل میں وجود پذیر ہوئی جنہوں نے حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ کے والد محترم زین العابدین رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے کی امامت کی دعوے داری شروع کی۔

یہ شیعوں کی تاریخ کا ایک المناک پہلو ہے جس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ اس پر بس نہیں بلکہ یہاں پر چند دوسرے پہلو اور بھی ہیں جو صراحت کے ساتھ امامت کی نشاندہی کی لفی کرتے ہیں اور اس بات کی یقین دہانی فراہم کرتے ہیں کہ شیعوں کے نزدیک امامت کا

تصور محض ایک مفروضہ ہے اس کے علاوہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

فرقہ اثناعشریہ سے مسلک شیعوں کے بارے میں اس بات کا تصور محال ہے کہ وہ اپنے بارہ اماموں کے اسماء والقاب کی مع ولدیت نشاندہی کر سکیں اور یہ بتا سکیں کہ وہ کس کی ذریت میں سے ہیں۔

چنانچہ کلینی نے اپنی کتاب الکافی میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میری صبح و شام اس حال میں ہوتی ہے کہ میں کسی ایسے امام کو پاسکوں جس کی امامت مسلم ہوا اور میں اس کی امامت کو تسلیم کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کر سکوں تو آپ ہی بتائیے کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں جبکہ صبح و شام میں مجھے کوئی ایسا امام نہ مل پائے جس کو میں امام سمجھ کر اس سے بیعت امامت کر سکوں امام ابو عبد اللہ نے اس شخص کو جواب دیا کہ تم جس کو پسند کرتے ہو اس سے محبت کا سلوک روا کھو اور جسے تم ناپسند سمجھتے ہو اس سے دور رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غلبہ عطا فرمائے۔ ①

امام صدوق نے امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ تمہارا کیا حال ہو گا جب تم کو ایک طویل مدت تک امام کی قیادت سے محرومی کا شکار رہنا پڑے گا اور معاملہ ایسا پیچیدہ ہو جائے گا کہ تم کو اپنے امام کے نام تک کا پتہ نہ ہو گا تم اس حال میں کیا کرو گے۔ لوگوں نے امام صادقؑ سے سوال کیا کہ ایسے حال میں ہمارا کیا فریضہ بتتا ہے۔ آپ ہی فرمائیں۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ پہلے امام کی بیعت پر جمے رہو یہاں تک معاملہ تمہارے سامنے واضح ہو کر آجائے۔ ②

امام کلینی، امام صدوق، اور امام مفید نے عیسیٰ بن عبد اللہ علوی عمری کے واسطہ سے ابو عبد اللہ جعفر بن محمد علیہ السلام سے روایت کرتے ہوئے فرمایا میں نے ابو عبد اللہ سے عرض کیا میں

① الکافی : ۱/۳۴۲۔

② اکمال الدین ، ص : ۳۴۸ - ۳۵۰ - ۳۵۱ -

قربان جاؤں، ہم پر اگر کوئی ایسا موقع آجائے اللہ تعالیٰ ہمیں وہ دن نہ دکھائے کہ کوئی تصریح شدہ امام موجود نہ رہے تو ہم کس کو امام بنائیں گے یا کس کے ہاتھ پر، ہم امامت کی بیعت کریں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ نے حضرت موسیٰ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا کہ اگر موسیٰ بھی نہ رہیں تو ہم کس کو امام بنائیں گے۔ فرمایا کہ ان کے فرزند رشید کو ان کا جانشین سمجھا جائے گا میں نے کہا کہ اگر بالاتفاق وہ بھی نہ رہیں اور وہ اپنے بڑے بھائی اور چھوٹے لڑکے کو اپنے پیچھے چھوڑ جائیں تو ہم کس کو امامت کے منصب پر فائز کریں گے۔ اس کے جواب میں ابو عبد اللہ نے فرمایا کہ ان کے صاحبزادے کو ان کا خلف رشید سمجھا جائے گا اور اسے امامت کے منصب پر فائز کیا جائے گا اس کے بعد امامت کا یہ سلسلہ یونہی قائم رہے گا میں نے عرض کیا کہ اگر ہمیں امام کا پتہ نہ چل پائے اور نہ ہی ہم امام کا سراغ لگا پائیں تو ہم کیا کریں۔ اس کے جواب میں ابو عبد اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے موقع سے تم یہ کلمات ورد زبان کر لیا کرو ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَتُولِّ مِنْ بَقِيَّةِ مَنْ حَجَّجَكَ مِنْ وَلَدِ الْأَمَامِ
الْمَاضِيِّ - فَإِنْ ذَلِكَ يَجزِئُكَ“..... ”اے اللہ میں اس شخص کے ہاتھ میں بطور موالۃ ہاتھ دیتا ہوں جو پہلے امام کی اولاد میں سے باحیات ہو اور تیری باقی ماندہ حجت کو تسلیم کرتا ہوں۔ تمہارے لئے یہ کہنا بیعت امام کے طور پر کافی ہو جائے گا۔“

حضرت زرارہ بن اعین یعقوب بن شعیب اور عبد الاعلیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر امام وقت کو کوئی ناگہانی حالت پیش آجائے تو لوگ کیا کریں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو پیش نظر کھیں گے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ
كَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَعْذَرُونَ﴾ (التوبۃ: ۱۲۲)

”ان میں سے کچھ لوگ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے

ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرے اور یہ لوگ اپنی قوم کے پاس جب واپس آئیں تو ڈرائیں تاکہ وہ ڈر جائیں۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے پوچھا کہ اس موقع پر ان پر کیا حکم لگایا جائے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس وقت معذور سمجھے جائیں گے۔ میں نے سوال کیا کہ ان انتظار کرنے والوں کا کیا ہوگا جو ان فقیہوں کے انتظار میں نگاہیں فرش راہ کتے بلیٹھے ہوں گے۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ اللہ تمہارا بھلا کرے کیا تم کو پتہ نہیں کہ محمد ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ۱۱۵ سال کا جو وقفہ تھا اس وقفے کے مابین کتنے ایسے لوگ ہیں جو محمد ﷺ کیبعثت کا انتظار کرتے کرتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل پیرا ہو کر ختم ہو گئے۔ ان کو اللہ تعالیٰ اجر دے گا میں نے پوچھا ہم دین حاصل کرنے گھر سے نکلیں اور راستے میں اگر بعض ساتھی مر گئے تو ان کا کیا حکم ہے۔ امام صاحب نے جواب دیا:

﴿وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾ (النساء: ۱۰۰)

”جو اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف نکل کھڑا ہوا، پھر اسے موت نے آ پکڑا تو یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا۔“

راوی کہتے ہیں کہ میں نے فوارا کہا کہ ہم مدینہ منورہ پہنچے اور صاحب معاملہ کے دروازے پر پردہ کھنچا ہوا دیکھا، راوی کہتے ہیں کہ اس میں کسی قسم کا غموض نہ ہوگا اور جب تم مدینہ میں داخل ہو گے اور لوگوں سے کہو گے کہ میں کس کو اپنا وصی بناؤں لوگ بر ملا کہیں گے کہ فلاں کو اپنا وصی بناؤ۔ ①

تاریخ میں ایسی بہت سی روایات موجود ہیں جن سے اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ ائمہ علیهم السلام کو خود اپنی امامت کا پتہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس بات کا علم ہوتا ہے کہ ان کے بعد کون امام

بنے والا ہے۔ لیکن جب ان کی وفات کا وقت قریب آ جاتا ہے اس وقت ان کو امامت کا پتہ چل جاتا ہے۔ جب ائمہ کا یہ حال ہے تو شیعوں فرقہ امامیہ اور ہاشمیہ کیا شمار؟ کیونکہ بارہا یہ بات مشاہدہ میں آچکی ہے کہ شیعہ امامیہ کو اپنے ہر امام کی وفات کے بعد حیرانی و پریشانی کا شکار ہونا پڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہر امام سے ہمیشہ یہی درخواست کی کہ وہ اپنے جانشین کو وقت موعود سے پہلے متعین کر دیں اور وضاحت کے ساتھ اس کے نام کا اعلان کر دیں تاکہ ان کی وفات کے بعد امام جدید کی تعین میں مشکلات درپیش نہ ہوں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ امام صاحب تو اس دنیا سے چلے جائیں اور ان کے تبعین کو امام کا پتہ تک نہ ہو۔

ابو جعفر محمد صفار، جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے واسیتگان میں سے ہیں، نے اپنی کتاب: بصائر الدرجات باب فی الائمه انہم یعلمون الی من یوصون قبل موتهم مما یعلمهم اللہ کے عنوان سے موسوم باب میں درج کیا ہے۔ ①

ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ اسماعیل بن ابراہیم کے ایک چھوٹے صاحزادے تھے۔ جن سے وہ بڑی محبت کرتے تھے شیخ اسماعیل کی امیدیں انہیں سے وابستہ تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ فلاں شخص امامت کا حق دار ہے چنانچہ جب شیخ اسماعیل علیہ السلام وفات پا گئے اور ان کے وصی کی امامت کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے جب مجھے موت آ جائے تو ایسا کرنا ویسا کرنا اور میری وصیت پر عمل کرنا اس سے پتہ یہ چلا کہ امام کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس بات سے مطلع نہ کر دے کہ ان کے بعد کون وصی ہوگا۔

بصائر الدرجات میں ہی باب فی الامام علیہ السلام انه یعرف من یکون بعدہ قبل الموت کے عنوان سے ایک باب ہے۔ یہاں میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرنا چاہوں گا کہ یہ اس عقیدہ امامیہ کا طبعی نتیجہ ہے جو ایک معما بن گیا ہے جو نہ حل ہوا ہے

اور نہ حل ہوگا عقیدہ نصیہ کا مطلب یہ ہے کہ خود ان کے امام کو پہنچنے تک نہیں ہوتا کہ ان کے بعد کون امامت کی باگ ڈر سنبھالے گا۔ البتہ موت سے تھوڑی در پہلے اسے وحی کا پہنچنے چل جاتا ہے لیکن یہ ایک تضاد ہے جس کے ہنور میں پھنس کر عام شیعہ بھٹک رہے ہیں اور دونوں قسم کے اعتقاد نے ان کو مخصوصہ میں ڈال رکھا ہے جب عام شیعہ کا یہ حال ہے تو رواۃ اور انہم کے اصحاب و معتقدین کا کیا حال ہوگا۔

زرارہ بن اعین کا شمار امام باقرؑ اور امام صادق علیہ السلام کے اصحاب میں ہوتا ہے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو اس کو بھی پہنچنے نہ چل سکا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد کون امامت کے منصب پر فائز ہوگا۔

الہذا زرارہ نے اپنے بیٹے عبید اللہ کو کوفہ سے مدینہ روانہ کیا تاکہ وہ نئے امام کا پہنچنے لگا کر آئیں لیکن ان کو منزل مقصود تک پہنچنے سے ہی پہلے موت نے آلیا، چنانچہ انہوں نے قرآن کریم کو اپنے سینہ پر رکھ کر یہ کہا

((اللّٰهُمَّ اشهدُ أَنِّي أَتَمَّ بِمَا نَهِيَ إِلَيْهِ مِنْ إِيمَانٍ وَمِنْ إِيمَانِ أَهْلِ الْكِتَابِ))

”اللّٰہُمَّ مَسْأَلُوكَ عَنْ امَامٍ سَمْجُونًا هُوَ جُعْفُرُ صَادِقٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ“ میں اس کو امام سمجھتا ہوں جس کو یہ مصحف امامت کے منصب پر فائز کرے گا۔^①

اگر انہم کرام کے اصحاب میں سے کسی کو یہ بات معلوم ہوتی کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد موسیٰ کاظم امامت کے منصب پر فائز ہوں گے تو ان کو معلومات حاصل کرنے کی ضرورت در پیش نہ ہوتی اور نہ ہی ان کو کسی قسم کا شک اور تذبذب رہتا لیکن ان کا شک و شبہ اور حصول معلومات کی تگ و دو، اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ان کو بھی امامت کی نامزدگی کا پہنچنے نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے عبید اللہ کو کوفہ سے مدینہ روانہ کیا تھا۔

الصفار، اور الکلینی کے کے علاوہ المفید اور الکشی نے بھی اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ

مشہور و معروف ائمہ کرام میں سے، ہشام بن سالم الجوالیقی اور محمد بن نعیمان الاحول شروع شروع میں، ہی حضرت عبد اللہ الاٹھ کی ان کے والد جعفر صادق علیہ السلام کے بعد امامت کے حق میں تھے ان کی دلیل عبد اللہ کا یہ قول تھا کہ امامت کے استحقاق کا فیصلہ بڑے بیٹے کے حق میں ہوگا اگر وہ معذور یا اپنے نہ ہوا۔ امام باقر اور امام صادق علیہما السلام کے اصحاب میں سے عمار السباطی کا اس بات پر اصرار ہے کہ امامت کا اگر کسی کو حق پہنچتا ہے تو وہ عبد اللہ الاٹھ ہی ہے آخری دم تک ان کا یہی فیصلہ رہا اور وہ اپنی اسی رائے پر ہمیشہ قائم رہے۔ ①

ہشام بن سالم الجوالیقی سے مروی ہے کہ وہ ایک مرتبہ عبد اللہ الاٹھ کے پاس اپنے بعض شیعہ دوستوں کے ہمراہ تشریف لائے اور ان سے بعض مسائل کے بارے میں دریافت فرمایا عبد اللہ الاٹھ صحیح طور پر شفی بخش جواب نہ دے سکے، جس نے لوگوں کو ان کی امامت بارے شکوک و شبہات میں ڈال دیا چنانچہ وہ لوگ ان کے پاس سے حیران و سرگردان نکلنے پر مجبور کر دیا۔ کوفہ کی گلیوں میں ستانے کی غرض سے روتے ہوئے آ کر بیٹھ گئے۔ حیرانی و پریشانی کا یہ عالم تھا کہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس کے پاس جائیں مر جھے کے پاس جائیں یا زیدیہ کے پاس جائیں، یا معززلہ کے پاس جائیں یا خوارج کے پاس جائیں۔ ہم لوگ اسی پس و پیش میں تھے کہ میں نے ایک بوڑھے شخص کو آتے ہوئے دیکھا۔ میں اس کو نہیں جانتا تھا لیکن وہ اپنے ہاتھ سے میری طرف اشارہ کر رہا تھا۔ اس نے آتے ہی مجھے کو بلا یا اور کہا کہ اللہ تمہارا بھلا کرے جب دیکھا تو وہ ابو الحسن موسیٰ تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم مجھے امام مانو کیونکہ امامت مر جھے کی ہے۔ نہ قدر یہ کی اور نہ ہی زیدیہ کو امامت کا حق پہنچتا ہے۔ بلکہ میرے حق میں امامت ثابت ہے لہذا تم اسے تسلیم کرو، میں نے کہا کہ میں آپ پر قربان جاؤں کیا آپ کے والد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ابو الحسن موسیٰ نے جواب دیا ہاں وہ فوت ہو گئے ہیں میں نے ان سے

① الکافی : ۳۵۱-۳۵۲۔ الارشاد ، ص : ۲۹۱۔ بصائر الدرجات ، ص : ۲۵۰، ۲۵۱ اور رجال

الکشی ترجمہ ہشام بن سالم۔

دریافت کیا کہ ان کے بعد کون ہماری امامت کا استحقاق رکھتا ہے۔ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کی راہنمائی کے لئے تمہارے راستے کھول دے اور مدد فرمائے تو میں نے کہا میں قربان جاؤں آپ پر، کیا آپ ہی وہ امام نہیں ہیں جس کی ہم کو ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ میں اس بات کی صراحة نہیں کر سکتا میرے دل میں یہ خیال کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ مسئلہ پیش کرنے میں مجھ سے چوک ہو گئی ہو میں نے شیخ ابو الحسن موسیٰ سے کہا کیا آپ بھی کسی امام کے قبیع ہیں۔ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ راوی کا کہنا ہے کہ اس کی وجہ سے میرے دل میں ان کی عظمت شان اور ہیبت خاندان کا ایسا تصور گھر کر گیا جس کی اثر پذیری کا اندازہ اللہ ہی کے علم میں ہے۔^۱

اس روایت میں ہشام کا کہنا ہے کہ ابتداء میں لوگ عبد اللہ الاطھ کی امامت پر راضی ہو گئے تھے گویا فرقہ امامیہ کے سر برآ وردہ لوگوں کو تحریری طور پر اس بات کا پتہ تک نہ تھا کہ امام کاظم مجمع کے سامنے امامت کا اعلان کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بہر حال حضرت عبد اللہ الاطھ اپنے والد کی وفات کے ستر دن بعد وفات پا گئے انہوں نے اپنا ایسا جانشین نہ چھوڑا جس سے ان کی اولاد میں امامت جاری رہتی۔ جس کی وجہ سے فرقہ امامیہ کی صفوں میں ایک نئے فتنہ نے سراٹھا یا۔ اس وقت ایک فرقہ نے امامت کے مسئلہ سے دستبرداری کا اعلان کر دیا اور اور ایک دوسرافرقہ پیدا ہو گیا جس نے موسیٰ بن جعفر کی امامت کو تسلیم کر لیا اور فرقہ موسوی کہلانے لگا اور ایک تیسرا قسم وہ تھی جس میں عبد اللہ بن بکیر اور عمار بن موسیٰ السا باطی تھے جنہوں نے موسیٰ بن جعفر کے بعد ان کے بھائی کی امامت کا فکرہ پیش کیا ان کو فرقہ فطحیہ کے نام سے موسم کیا جانے لگا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہیں امام صادق اور ان کے بعد ائمہ کرام کے اصحاب ہونے کا شرف حاصل تھا۔

^۱ الكافی: ۳۵۱/۱۔ اور الارشاد، ص: ۲۹۱ اور بصائر الدرجات، ص: ۲۵۰-۲۵۱۔ اور منتهی الآمال: ۲۵۸/۲ اور رجال الكشی ترجمة هشام بن سالم۔

قارئین کرام یہ تصور نہ کریں کہ معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا، نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ ابو عبد اللہ علیہ السلام کی اپنے بیٹے اسماعیل کے لئے وصیت، اس کے نفاذ کا ابتدائی بحران، عبداللہ افطح کی امامت، ابو عبد اللہ کی اچانک موت کے بعد موسیٰ کاظم کی امامت کے کی مشکلات، اور ہارون رشید کی جیل میں ان کی پراسرار موت جیسے پے درپے حالات سے مسئلہ امامت پیچیدہ اور طویل ہوتا گیا حتیٰ کہ یہ قصہ عام ہو گیا کہ موسیٰ کاظم جیل سے فرار ہو گئے۔

یہ حقیقت بھی ہے کہ امام کاظم کی موت کے اسباب سے ان کے تمام بیٹے، طلباء اور دیگر لوگ بھی نا آشار ہے۔ ان کی فہرست میں بعض اصحاب اجماع اور روایۃ ثقات کے اسماء مبارکہ بھی شامل ہیں۔ حضرت علی بن ابی حمزہ، علی بن الخطاب، غالب بن عثمان، محمد بن اسحاق بن عمار التغلقی الصیرفی، اسحاق بن جریر، موسیٰ بن بکر، وصیب بن حفص الجریری، تھجی بن الحسین بن زید بن علی بن الحسین، تھجی بن القاسم الخذاء، عبدالرحمن بن الحجاج، رفاعة بن موسیٰ، یونس بن یعقوب، جمیل بن دراج اور حماد بن عیسیٰ احمد بن محمد بن ابی نصر اصحاب اجماع اور روایۃ ثقات شامل ہیں اور ان کے علاوہ آپ کے اصحاب و احباب کی ایک طویل فہرست ہے جن سے آپ کی جیل میں پراسرار موت کا معمہ حل نہ ہو سکا۔ ①

شیعہ موسویہ کا حضرت امام کاظم پر امامت کے مخصوص ہونے اور ان کے بیٹے علی رضا علیہ السلام کی امامت کو نہ ماننے کی وجہ ہی حضرت امام موسیٰ کاظم کے مهدی ہونے کا اثبات فراہم کرتی اور موت سے قبل ان کے ظہور کو حتمی قرار دیتی ہیں چنانچہ امام طوی نے اپنی کتاب الغیبة میں ان روایات میں سے بعض روایات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ ②

اس کے بعد کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ علی رضا علیہ السلام کی اپنے والد کی موت کے بارے میں معرفت و عدم معرفت نے شکوک و شبہات کا بازار گرم کر دیا..... اور یہ قیاس آرائیاں گردش

① الغیبة للطوی، ص: ۴۷، اور الکافی: ۱/۳۴ اور عیون الاخبار الرضا، ص: ۳۹۔

② نفس المصدر، ص: ۳۹ - ۴۰

کرنے لگیں کہ انہیں اپنے والد کی موت کی خبر کیسے پہنچی۔ اور کب ان کو پہنچا کہ ان کے والد فوت ہو چکے ہیں اور ان کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے والد کے بعد جانشین امام متعین کردئے گئے ہیں۔ کیا ان کو اپنے والد کی وفات کے بعد فوراً اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ ان کے والد فوت ہو چکے ہیں یا ان کو اپنے والد کے فوت ہونے کی اطلاع ایک مدت بعد پہنچی۔ خبر پہنچنے کے بعد کب آپ بطور جانشین منصب خلافت پر فائز ہوئے۔ ①

اس زمانے میں شیعہ نے ایک مفروضہ پھیلا رکھا تھا جو زباں زد خاص و عام تھا کہ امام ہی امام کی تجویز و تکفین کرتا ہے اس مفروضہ نے اس دور میں امام علی رضا علیہ السلام کے بارے میں لوگوں کو پس و پیش میں ڈال دیا۔ چنانچہ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ علی رضا علیہ السلام کے بارے میں کیسے یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو غسل میت دیا ہے جبکہ ان کے بابا کا انتقال بغداد میں ہوا ہے اور علی رضا علیہ السلام مدینہ منورہ میں تھے۔ ②

ہم یہاں اس بات کی بھی وضاحت کر دیں کہ عام طور پر شیعہ حضرات امامت کی پیشین گوئی میں صرف علی بن موسی الرضا کے بارے ہی میں غموض کاشکار نہیں ہے بلکہ امام کاظم کی اولاد اور ان کی محبوب ترین بیوی ام احمد کے سلسلہ میں بھی بڑی ہی پیچیدگیاں موجود ہیں جس کے بارے میں تاریخ کے اور اقشار میں شاہدِ عدل ہیں۔ ③

انہیں تاریخی روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب مدینہ میں امام کاظم علیہ السلام کی وفات کی خبر سننے گئی تو لوگ ام احمد کے دروازے پر جمع ہو گئے احمد بن امام کاظم علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی اور انہوں نے بھی لوگوں کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنی امامت کی بیعت لی۔ ابھی علی رضا کی امامت کے جواز و عوم جواز کی بحث جاری تھی۔ ④

① ملاحظہ ہو: الکافی : ۱/۳۸۱۔ ② ملاحظہ ہو: نفس المصدر : ۱/۳۸۵۔

③ ايضاً۔ ④ حیاة الامام موسی بن جعفر، لباقر شریف القرشی، ص : ۴۱۰۔ ۳۸۲-۳۸۱۔

- ۴۱۱۔ تحفة العالم، جعفر آں بحر العلوم کی کتاب سے مقتبس : ۲/۸۷۔

ابھی فرقہ امامیہ سے مسلک لوگ اڈھیر بن میں بٹلا تھے کہ ۳۰۰ھ کو خراسان میں ان کا انتقال ہو گیا ان کے ایک بیٹے تھے جن کا نام محمد جواد تھا۔ ان کی عمر سات سال کی تھی جس کی وجہ سے فرقہ امامیہ کی صفوں میں دوبارہ اختلاف کی آگ بھڑک اٹھی اور امامت کا مسئلہ ایک چیلنج کی شکل اختیار کر گیا۔ کیا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی قیادت کے لئے ایک کم سن بچے کو امامت کے منصب پر فائز کر سکتا ہے۔ جو اپنے معاملات میں بھی خوب تصرف کے قابل نہیں علاوہ ازیں جو شرعاً غیر مکلف ہوا اور نہ اس کو اپنے والد کی تعلیم و تربیت سے بہرہ ور ہونے کا موقعہ مل پایا ہو جس کو اس کے والد چار سال کا چھوڑ کر چلے گئے ہوں۔ ①

اس قسم کے مختلف اسباب کی بنیاد پر شیعہ امامیہ مختلف فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ جن میں سے بعض فرقے یہ ہیں۔

1..... اس میں سے ایک فرقہ وہ ہے جس نے موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت پر اکتفا کیا مگر چند اسباب و وجوہات کی بنا پر علی بن موسیٰ الرضا پر یقین کرتے ہوئے ان کی طرف رجوع کر لیا اور محمد الجواد کی امامت کو رد کر دیا۔

2..... ایک دوسرافرقہ وہ ہے جس نے امام رضا کے بھائی احمد بن موسیٰ کی امامت کو قبول کرنے کا راجحان ظاہر کیا یہ فرقہ زیدیہ کے ہم رائے تھے اور کوفہ میں ابو سرا یا کے ساتھ ظاہرہ کے لئے سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ ان کو اپنے بھائی امام رضا کی محبت حاصل تھی اور وہ اپنے بھائی کا خیال بھی رکھتے تھے۔ احمد موسیٰ علم و فضل، ورع و تقویٰ، زہد و معرفت، عبادت و ریاضت میں بھی بلندی و مکمال کے حامل تھے۔ اس فرقہ کا خیال ہے کہ امام علی رضا نے ان کی امامت کی وصیت کر کے نشاندہی کر دی تھی۔ ②

3..... شیعوں کا ایک فرقہ وہ ہے جو امام محمد بن القاسم بن عمر بن علی بن الحسین بن علی بن ابی

① المقالات للاشعری القمی، ص: ۹۶-۹۸ اور فرق الشیعه للنوبختی، ص: ۸۸۔

② الفصول المختارة، ص: ۲۵۶۔

طالب کے اردوگرد جمع ہو گیا۔ آپ کوفہ میں فروش تھے اور عبادت و ریاضت، زہد و معرفت، ورع و تقویٰ، علم و فضل اور فقہ و حدیث میں درایت رکھتے تھے۔ انہوں نے معتصم باللہ کے خلاف ۲۱۸ھ کو طالقان میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔ ①

4..... ایک فرقہ وہ تھا جس نے محمد الجواد کی امامت کو سراہا لیکن انہیں مشکل یہ درپیش ہوئی کہ وہ امام جواد کے بیٹے علی حادی کی صغیر سنی کی وجہ سے دوبارہ بحران کا شکار ہو گئے۔ کیونکہ جواد کا عنفوں شباب میں انتقال ہو گیا تھا اور ان کے دونوں بیٹے علی اور موسیٰ کم سن تھے بڑے بیٹے کی عمر سات سال سے زیادہ نہ تھی، امام حادی بھی اپنے والد امام جواد کی وفات کے وقت چھوٹے ہی تھے وجہ یہ ہے کہ ان کے والد نے عبداللہ بن مسور کو اپنے تمام مال متاع پر حاجب مقرر کر کے یہ وصیت کی تھی کہ ہادی جب بڑے ہو جائیں تو یہ سامان ان کے حوالے کر دینا یہی وہ بھنوڑ ہے جس کی گرداب میں شیعہ حضرات پھنس کر مختلف مشکلات کا شکار ہو گئے اگر امام حادی صغیر سنی کی وجہ سے مالی تصرفات کے اہل نہیں تھے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی صغیر سنی کے دوران امام کون تھا۔ اگر کوئی نہیں تھا تو ایک کم سن بچہ کے نام امامت کیوں کرنا مزدکی جاسکتی ہے اور وہ کس بنیاد پر امامت کے فرائض انجام دینے کا اہل ہو سکتا ہے۔ یہ وہ سوالات ہیں جو امام علی رضا کی وفات کے وقت بروئے کار لائے گئے اس سے علی و موسیٰ دونوں بھائیوں کی امامت کے بارے میں پیچیدگی درپیش ہوئی تھی۔ امام کلینی اور مفید حیرت واستعجاب فرماتے ہیں کہ شیعوں کی بعض بڑی بڑی شخصیات کو بھی اس امام جدید کی پہچان نہ تھی لہذا انہوں نے امام محمد بن فرج کے یہاں اجتماع کیا۔ اس کے بعد ایک اجنبی شخص نمودار ہوا اور اس نے امام جواد کے بارے میں اس پوشیدہ راز کا انکشاف کر کے بتایا کہ انہوں نے خفیہ طور پر اپنے بیٹے علی حادی کی امامت کی نشاندہی کر دی تھی۔ تب کہیں جا کر اس راز کا اظہار ہو پایا۔ ②

① مقاتل الطالبين، ص ۵۷۹ اور تاريخ الطبرى: ۷/۲۲۳۔

② الكافى: ۱/۳۲۶۔ ۳۲۷۔ اور الارشاد، ص: ۳۲۸۔

اس حیرت استجواب اور ابہام و غموض نے امام جواد کے ماننے والے شیعہ کوئی فرقوں میں تقسیم کر دیا۔

- ۱۔ ان میں سے ایک گروہ امام حادی کی امامت کا قائل ہو کر الگ ہو گیا۔
- ۲۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو ان کے بھائی موسیٰ مبرقع کی امامت کا قائل ہو کر انہیں کا ہو کر رہ گیا۔ ①

لیکن امام حاوی نے امامت میں اپنے بیٹے محمد کے لیے جانشینی کا انتخاب کر کے لوگوں کو حیرت استجواب میں ڈال دیا۔ لیکن محمد ان کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تو انہوں نے اپنے دوسرے بیٹے امام حسن عسکری کی امامت کی وصیت کر دی اور اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ میرے عزیز بیٹے اللہ کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں موقع عنایت فرمایا کہ امامت سے نواز دیا ہے۔ ②

کلینی اور مفید طوسی نے ابو حاشم داؤد بن القاسم جعفری کے واسطہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں ابو الحسن عسکری کے پاس ان کے صاحزادے ابو جعفر کی وفات کے وقت موجود تھا انہوں نے اس کی طرف اشارہ کیا اور اس کا حال و احوال بیان کیا تو میں اپنے دل ہی دل میں کچھ سوچنے لگا ابو الحسن میری طرف متوجہ ہوئے کہ کہنے لگے ہاں اے ابو ہاشم! میں تم سے یہ کہہ رہا ہوں کہ ابو جعفر پر اللہ کا ہاتھ ہے اور اس کا قائم مقام ابو محمد کو بنایا گیا ہے۔ بالکل یہی مسئلہ اسماعیل کے بارے میں درپیش ہوا جبکہ ابو عبد اللہ ان کی امامت کی نشاندہی کر کے انہیں امامت کے منصب پر فائز کر چکے تھے۔ بالکل یہی اشکال جو تمہارے دل میں گردش کر رہا ہے یہاں میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ میرا بیٹا ابو محمد میرے بعد میرا جانشین ہے۔ اس کے پاس وہ سب کچھ ہے جس کی تم کو ضرورت درپیش ہو گی۔ ③

① ملاحظہ ہو: فرق الشیعہ، ص: ۹۱۔

② ملاحظہ ہو: الکافی، ص: ۱/۳۲۶-۳۲۷۔ بصائر الدرجات للصفار، ص: ۴۷۳ اور الارشاد المفید، ص: ۳۳۷، اور الغيبة للطوسی، ص: ۱۲۲۔

③ ملاحظہ ہو: الکافی: ۱/۳۲۸ اور الغيبة، ص: ۵۵۔ ۱۳۰ اور الارشاد، ص: ۳۳۷ اور بحار الانوار للمجلسی: ۵۰/۲۴۱۔

یہی الجھن فرقہ اسماعیلیہ کے ساتھ بھی پیش آئی کیونکہ جعفر صادق اپنے بیٹے اسماعیل کی وفات کا ذکر کر رکھے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام نے انہیں امام ماننے سے انکار کر دیا۔ جس طرح ہادی کے دادا قتل پر ایک فرقہ نے ان کے صاحبزادے امام محمد کی وفات کی تصدیق سے انکار کر دیا تھا اور مسلسل ان کے روپوش ہو جانے کے عقیدہ پر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک دعویٰ کر ڈالا کہ امام حادی کا اپنے بیٹے کی وفات کا اعلان کرنا تلقیہ ہے اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کے متزادف ہے۔

۲۶۰ھ کو مقام سامراء میں امام حسن عسکری علیہ السلام نے بحران اور یہجانی کیفیت پیدا کر دی کیونکہ وہ جانشین مقرر کیے بغیر فوت ہو گئے تھے۔ جب کہ امام کا انعقاد یہ تھا کہ امامت تسلسل سے جاری رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرقہ امامیہ سے مسلک لوگ ۱۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے جس کا قسم اپنی کتاب المقالات والفرق میں تذکرہ کیا ہے اور نوبختی نے اس کو اپنی کتاب فرق الشیعہ میں بیان کیا ہے ابن زینب الشعmani نے اپنی کتاب ”الغیۃ“ میں جس کا انکشاف کیا ہے۔ الصدوق نے اپنی کتاب ”امال الدین“ میں جس کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ المفید نے اپنی کتاب ”الارشاد“ میں جس کی وضاحت کی ہے۔ الطوسي نے اپنی کتاب ”الغیۃ“ میں جس سے بیان کیا ہے۔ امامت کی الجھن بارے یہ ایک ہلکی سی جھلک تھی ورنہ یہ ایک نہ ختم ہونے والی داستان ہے۔



خاتمه کتاب

میں اپنے اہل خانہ اور ہمسایہ کو جن سے میں محبت کرتا ہوں اور مجھ سے وہ محبت کرتے ہیں اور ان کو جو آل بیت سے محبت کرتے اور ان کی اتباع کی عقیدت رکھتے ہیں اور ان کو جو تلاش حق اور نورِ ہدایت میں سرگردان رہتے ہیں، میں ان تمام کو اس صدائے فطرت پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہوں۔

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلّٰهِيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذُلْكَ الدِّيْنُ الْقَيْمُ وَلِكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ۵

(الروم: ۳۰)

”لہذا آپ یکسو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کے بنائے کو بدلا نہیں۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔“

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دیکر امتیازی شان سے نوازا ہے۔ اور اس کو عقل ہی کی وجہ سے تمام مخلوقات پر برتری حاصل ہے لہذا انسان کو چاہئے کہ اس نعمتِ الہی کی قدر کرنی چاہیے جس سے ان کو اللہ تعالیٰ نے بہرہ و رکیا ہے۔ قرآن کریم میں بارہا اس کے سامنے سے یہ آیت گزرتی رہتی ہے اور وہ ان جملوں کی بارہا تلاوت کرتا ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی کتاب عزیز میں ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ کہہ کر مخاطب کیا ہے کہ کیا تم سمجھ بوجھ نہیں رکھتے اور کبھی ﴿أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ﴾ جیسے جملہ سے بندے کو باور کرایا ہے کہ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟ اور کبھی اس نے اپنے بندوں کو ﴿أَفَلَا تُبَصِّرُونَ﴾ کہہ کر سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ کیا تم عقل

و خرد سے کام نہیں لیتے ہو؟ اس قسم کے تمام جملوں کا لب لباب یہ ہے کہ انسان کو تدبیر و تفکر کے لئے آمادہ کیا جائے اور عقل انسانی کو اندر ہمی تقلید سے آزاد کرائے اسلام کی وسعت کے سایہ تک پناہ گزیں ہونے کی ترغیب دی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک عقلمند شخص خواہش پرستی کی اندر ہیروں اور اندر ہمی تقلید کی تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مارنے سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ خواہش پرستی اور اندر ہمی تقلید شرک کا پیش خیمه ہے ایک ہوشمند شخص احتیاط سے کام لیتے ہوئے ہوائے نفس اور تقلید شخصی سے دامن بچانے کی حقی المقدر کوشش کرتا ہے تاکہ اس کا شمار ان لوگوں میں نہ ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمادیا ہے:

﴿فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِبُو إِلَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَبَعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِنْ مَنْ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهِدِ الْقَوْمَ الظَّلِيلِينَ﴾ (القصص: ۵۰)

”اگر یہ لوگ آپ کی بات ماننے کے لئے تیار نہ ہوں تو آپ یقین کر لیں کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں اس سے بڑھ کر بہ کاوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی خواہش ہی کا ہو کر رہ جائے کان کھول کر سن لو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

میں یہ کہنا چاہوں گا آل بیت رسول ﷺ سے میری محبت صرف اور صرف ان کی رسول اللہ ﷺ سے قرابت داری اور رشتہ داری کی وجہ سے ہے کیونکہ ان کو اس مقام پر نبی کریم ﷺ سے قرابت و رشتہ داری نے ہی فائز کیا ہے صحابہ کرام کا مرتبہ بھی صحبت اول کی وجہ سے ہے اول الذکر آل بیت رسول اور آخر الذکر اصحاب رسول ﷺ ہیں اور جو لوگ بھی ان سے محبت کرتے ہیں وہ نبی کریم ﷺ سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتے ہیں۔

اس لئے اس حقیقت کا ادراک ہو جانے کے بعد ضروری ہے کہ ہم آل بیت

رسول ﷺ اور صحابہ رسول ﷺ سے تعلق کا اظہار کریں ”ربحت الصحابہ ولم اخسر آل البيت۔“

میں نے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپانے کی سعادت حاصل کی ہے وہیں آل بیت رسول ﷺ کا دامن کا ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين - وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين الى يوم الدين -

